کتاب میں اٹھانوے ۹۸ اشکالات مع جواب درج ہیں، پہلے امام طحاوی کی اصل عبارت مع حوالہ نقل کی
پھر اسکے متعلق اشکال اور آخر میں جواب ناموں کی تصریح کے ساتھ درج ہے۔ مگر جواب میں
نہیں ہیں کچھ اردو اور کچھ عربی میں ہیں، اگر عربی جواب کا اردو ترجمہ کر دیا جاتا تو فائدہ دوچند ہو جاتا
اب کی زبان اور پیرایۂ بیان قدیم طرز کا ہے، تاہم اس کتاب سے حدیث پڑھنے پڑھانے والوں کو بڑا فائدہ

ح البیان (حصہ دوم) از مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتابگڈھی، متوسط تقطیع،
غذ کتابت و طباعت اچھی صفحات ۔۔۳ قیمت بارہ ۱۲ روپے ناشر ڈاکٹر ابرار احمد نمبر ۵
طان پور بجادا، الہ آباد

لانا شاہ محمد احمد صاحب پرتابگڈھی حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی
حضرت شاہ بدر علی کے خلیفہ اور خود ایک بڑے شیخ طریقت ہیں، مولانا شاہ
فتح پوری کی وفات کے بعد ان کی ذات طالبین کا مرجع بن گئی ہے، مشرقی یو۔پی
کو خاص طور سے ان سے بڑا فیض پہنچ رہا ہے، مولانا کے عقیدت مندوں نے
م کے خیال سے ان کے مواعظ کا ایک مجموعہ پہلے شائع کیا تھا اور اب یہ
وعہ شائع کیا ہے، اس میں رضائے الٰہی کے حصول آخرت کے استحضار کتاب
اتباع، ذکر تلاوت و عبادت میں مشغولیت، اخلاق و معاملات کے تصفیہ
زکیہ، نیت کے اخلاص، عمل کی اصلاح، صلحاء کی صحبت اور اہل اللہ کی
کی تلقین پُر اثر انداز میں کی گئی ہے، مواعظ کو پڑھ کر قلب میں گداز
ا بالیدگی، دل میں عمل کا ولولہ پیدا ہوتا ہے اور آخرت کی فکر میں اضافہ
روع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا مختصر مقدمہ اور ایک وعظ کی
مولانا حبیب الرحمن الاعظمی کی موثر تعارفی تقریر بھی ہے، زبان آسان
فہم ہے تاکہ ہر ذوق و استعداد کے لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔ "ض"

جلد ۱۲۳ ماہ جمادی الاول سنہ ۱۳۹۹ھ مطابق ماہ اپریل سنہ ۱۹۷۹ء عدد ۴

مضامین

مقالات

وفیات

باب التقریظ والانتقاد

شذرات

یں مولانا ابوالحسن علی ندوی پاکستان تشریف لے گئے تھے، تو وہاں کے قیام کے زمانہ
۔ ہیں سوال کیا گیا کہ پاکستان میں معارف کی طرح کوئی رسالہ نکلتا ہے کہ نہیں، تو
ٹے کر جی نہیں، یہ خاکسار بھی اس مجلس میں تھا، جب اس کی اشاعت کی تعداد و بھ
کے بتانے میں کچھ محجوب سا تھا،

ن سنہ ۱۹۱۶ء سے برابر نکل رہا ہے، اس ۶۳ برس میں کسی مہینہ ناغہ نہیں ہوا، اتنی طویل مدت
نا ید ہی کسی اور رسالہ کی اشاعت میں کی گئی ہو، الحمد للہ جس مقصد سے یہ نکالا گیا، اس کی
تی رہی، اور مدح و تحسین کے پھول بھی اس پر نچھاور کئے جاتے رہے، ڈاکٹر اقبال نے اس کے
ہر کیا تھا کہ یہی ایک ایسا رسالہ ہے جس کے پڑھنے سے حرارت ایمانی میں ترقی ہوتی ہے، مولانا
و بھی اس رسالہ سے بڑا انس رہا، اپنے ایک مکتوب میں استاذی المحترم مولانا سید سلیمان ندوی
سالوں کی جلدیں نہیں بندھواتا ہوں مگر یہ شرف خاص رسالہ معارف کو حاصل ہے کہ
ہیں، مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے ایک خط میں استاذی المحترم ہی کو تحریر فرمایا تھا کہ معارف
اور نہ ہر طرف سناٹا ہے، بحمد اللہ مولانا شبلی کی تمنائیں رائگاں نہیں گئیں، پاکستان کے مشہور
جید صاحب سالک مرحوم نے جنوری سنہ ۱۹۵۲ء کے رسالہ "ماہ نو کراچی" میں لکھا کہ سنہ ۱۹۱۶ء
مشہور و معروف علمی رسالہ معارف جاری ہوا، جو بلا مبالغہ دنیائے اسلام کا بہترین
الہ ہے، اور جس نے ہمارے تحقیق و تاریخ کے ذخیرے کو مالا مال کر دیا۔

معارف کے پرانے پرچوں کی مانگ آج کل بڑھی ہوئی ہے، کراچی کے ممتاز اور مشہور ادیب جناب
مشفق خواجہ نے سنہ ۱۹۱۶ء تک کے معارف ابھی منگوائے، تو لکھا کہ اگر یہ رسالے اُن کے کتب خانے میں نہ ہوتے
تو وہ بہت بڑی دولت سے محروم رہتے، کراچی ہی کے علم کے شہزادے جناب سید حسام الدین راشدی
کو یہ رسالہ کسی مہینہ نہیں ملتا ہے تو تقاضا آتا ہے کہ ان کو یہ ہر مہینہ رجسٹری سے بھیجا جائے تاکہ اُن کو
مزدر ملے، معارف کی اس قدر دانی کے باوجود اگر سوال کیا جائے کہ اس ۶۳ برس میں اس کے لئے کتنا
سرمایہ جمع ہو چکا ہے تو اس کے جواب دینے میں شرمندگی محسوس ہوگی،

شروع سے اس کے اڈیٹر کی کوئی تنخواہ نہیں رہی، اس کے مضمون نگاروں کو کوئی اجرت بھی نہیں
دی جاتی، صرف اس کی لکھائی چھپائی، جزبندی اور کاغذ کی خریداری میں خرچ ہوتا ہے، اگر کسی
اڈیٹر سے گذشتہ ۶۳ برس کا حساب آڈٹ کرایا جائے، تو اس کی رپورٹ یہی ہوگی کہ جب اس
سے کوئی مالی فائدہ نہیں تو اس کو کیوں جاری رکھا گیا ہے، اس کی قیمت بھی زیادہ نہیں، کل
پندرہ روپیہ سالانہ ہے، ابھی حکومت دہلی کے ایک بہت بڑے ہندو افسر دارالمصنفین تشریف
لائے، اپنی علم دوستی سے یہاں کی ہر چیز دیکھی، معارف کی سالانہ قیمت سن کر بولے کہ اس سے تو
اس کے ٹائٹل کے خریدنے میں بھی یہ رقم کم پڑتی ہوگی، اس کی سالانہ قیمت یقیناً بہت کم ہے، پھر بھی
زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جو معارف کے خریدار بننے کے بجائے ایک روز میں کافی کی پیالیاں پینے
میں کئی پندرہ روپیہ خرچ کرنا زیادہ پسند کریں گے،

ممکن ہے کہ یہ الزام رکھا جائے کہ معارف کا اشتہار نہیں ہوتا، اور دوسرے رسالوں کی
طرح اس کے لئے گھر گھر جا کر خریدار نہیں بنائے جاتے، دارالمصنفین نشر و اشاعت کا کوئی تجارتی
ادارہ نہیں، یہ ایک خاص مقصد کی تکمیل کے لئے قائم ہوا تھا، اور اس نے ملک میں جو وزن و
وقار پیدا کیا ہے اس کو برقرار رکھنے میں یہ دریوزہ گری کسی طرح مناسب نہیں، دارالمصنفین نے

۲۳ برس میں کسی سے کوئی چندہ قبول نہیں کیا، یہاں کے خدمت گذاروں کا یہ شیوہ رہا ہے،
نی علمی زندگی میں مالی صعوبتوں کی پریشانیاں برداشت کرلیں، مگر اس کے وزن اور وقار میں
کان کمی نہ آنے دیں،

اگر دارالمصنفین کے ساتھ معارف بھی اپنا فرض لوگوں کی توقعات کے مطابق ادا کر رہا ہے
خود ان لوگوں سے یہ توقعات نہیں کرسکتا ہے کہ وہ اپنا فرض ادا کریں، اگر معارف سے واقعی حرارت
یدا ہوتی ہے اس سے علمی نشاط دور ہوتا ہے اور یہ گھروں میں علمی دولت پہنچاتا ہے تو یہ صرف
ا ہے کہ اس کے زیادہ سے زیادہ خریدار رہیں،

ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم نے ۱۹۶۵ء ہی میں دارالمصنفین کی طلائی جوبلی کی رسم افتتاح
را پنے خطبۂ صدارت میں فرمایا تھا کہ دارالمصنفین کے قدردانوں، معترفوں اور شکر گذاروں کو اس حقیقت
توجہ دلانا بہت ضروری ہے کہ قدردانی تعریف اور شکر گذاری اپنی جگہ بہت اچھی چیزیں ہیں لیکن
ن کی بھٹی گرم ہوتی ہے نہ بھاپ بنتی ہے نہ کارخانہ چلتی ہے، اس عالم مادی میں ذہنی اور روحانی کاموں
مادی وسائل کی ضرورت پڑتی ہے، اگر ہم آپ واقعی دارالمصنفین کے قیام کو علم و ادب در ملک و قوم کیلئے
اہم سمجھتے ہیں تو ہمارا فرض ہے اور یہ فرض کفایہ نہیں بلکہ فرض ذاتی ہے، کہ قدمے سخنے سے آگے
ائے درمے سے اس کی دل کھول کر مدد کریں"

ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اوپر جو کچھ کہا ہے اس میں دارالمصنفین کے خدمت گذار یہ ترمیم کرتے ہیں کہ ہم کو دا
ل امداد نہیں چاہئے بلکہ ڈاکٹر صاحب نے اس کے بعد جو کہا تھا وہ ہم چاہتے ہیں، انھوں نے بڑی دلسوزی سے
کہ مجھے امید ہے کہ ارباب علم و دانش زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس کی مطبوعات کے (جن میں معارف
شامل ہے) خریدار بنیں گے، اور ارباب حکومت و اقتدار کو اس پر آمادہ کریں گے کہ انھیں مدرسوں
م کتب خانوں کیلئے خریدیں، یہ کوئی احسان نہ ہوگا، بلکہ ایک اچھا سودا ہوگا جس میں چاندی کے چند
بلکہ کاغذ کے چند پرزوں کے بدلے علم و حکمت کی دولت ہاتھ آئے گی جو بے بہا اور لازوال ہے"

مقالات

امیر خسرو اور افضل الفوائد

از- سید صباح الدین عبدالرحمٰن

(۲)

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ جعلی ملفوظات میں ایسا مواد بالکل نہیں ہے، جو اس عہد کے سیاسی اور معاشی حالات پر روشنی ڈالتا ہو یہی کیفیت افضل الفوائد کی بھی ہے، (ص ۸۲)

اگر اس عہد کے سیاسی اور معاشی حالات سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے زمانہ کے حالات مراد ہیں، تو فوائد الفواد میں سلطان غیاث الدین بلبن سے لے کر سلطان محمد بن تغلق کے دور کے سیاسی و معاشی حالات ملنے چاہیں، مگر ان سلاطین کا اس میں مطلق ذکر نہیں، البتہ محمود غزنوی، شمس الدین التمش، رضیہ اور ناصر الدین محمود کا ذکر ضرور ہے، مگر افضل الفوائد میں بھی محمود غزنوی، معز الدین سام اور شمس الدین التمش کا ذکر ہے اس سے نسبتاً زیادہ تفصیلی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

فوائد الفواد میں محمود غزنوی کا ذکر احترام سے کیا گیا ہے، یہی احترام افضل الفوائد میں ہے، جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی مجلس کی حسب ذیل روایت سے ظاہر ہے۔

حضرت خواجہ نے فرمایا کہ سلطان محمود غزنوی کے دو زناردار یعنی ہندو اس کے
...ں سے روتے ہوئے واپس گئے، اور اپنے بت خانہ میں پہونچے، انھوں نے
...ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ الٰہی! اگر ہم لوگ اسلام (مسلمانی) سے دور
...، تو ہم لوگوں کو تو ہی نے پیدا کیا ہے، تمام بندے تیرے ہی پیدا کئے ہوئے ہیں،
...ہمارے ساتھ انصاف نہ کرے گا تو ہم اس جگہ سے باہر نہ جائیں گے، اور نہ
...دوسرے سے بات کریں گے، پھر وہ دونوں مندر (بت خانہ) میں بیٹھ گئے،
...روز سلطان محمود انار اللہ برہانہ کے پیٹ میں درد اٹھا، کبھی تخت
...زمین پر گر جاتا، اور کبھی زمین پر سے تخت پر آجاتا، اولیاء اور
...اس کے گرد جمع ہو گئے، علاج ہوا، دعائیں ہوئیں، مگر کوئی فائدہ
...ہوا، بلکہ اور حالت خراب ہوتی گئی، اور جب سب عاجز ہو گئے تو سلطان
...نے حسن میمندی کو بلایا اس سے کہا کہ لوگوں کی کوئی تدبیر کام نہیں کر رہی
...ب خدا ہی کچھ کر سکتا ہے، خواجہ بہلول دیوانہ کے پاس جاؤ، اور ان سے
...ست کرو، شاید صحت پا جاؤں، جب حسن میمندی خواجہ بہلول کے
...پہونچا تو خواجہ نے تبسم کیا، اور فرمایا محمود کو کوئی ضرورت آپڑی ہے،
...نے تجھ کو بھیجا ہے، بتاؤ کیا بات ہے، سلطان محمود کے پیٹ کے درد کا حال
...سے کہا گیا، تو وہ ہنسے اور بولے کہ جاؤ کہہ دو کہ وہ اپنے قصر کے در پر طبل
...انے کا حکم دیں، اس وقت بھلا ہو جائے گا، حسن میمندی نے یہ بات
...تو واپس ہوا، سلطان سے یہ سب کچھ کہا، پھر ایسا ہی کیا گیا، جب
...رکے اوپر طبل بجا تو وہ دونوں ہندو ایک دوسرے سے بولے کہ

شاید سلطان محمود کی وفات ہو گئی ہے، یا کسی نے ہم لوگوں کا حال اس سے بتلایا ہے،
اسی لیے یہ طبل بجا ہے، جس وقت ان دونوں نے یہ بات کہی تو سلطان کے پیٹ کا
درد جاتا رہا، سلطان گھوڑے پر سوار ہو کر خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور
بہت معذرت کی، خواجہ نے کہنا شروع کیا کہ دوسرے لوگ رہزنی کرتے ہیں،
اور تمھارے پیٹ میں درد ہوتا ہے، ملازمین ظلم کرتے ہیں، اور بلا ان کے مالک
پر نازل ہوتی ہے، خواجہ نے ان ہندوؤں کی کیفیت سے سلطان کو مطلع کیا،
وہ وہاں سے واپس ہوا تو ان ہندوؤں کے پاس پہونچا، ان کو خوش کیا، اور
بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کو واپس کیا، یہ حکایت سنا کر حضرت خواجہ
یعنی حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء کی آنکھیں پرآب ہو گئیں، روئے اور
فرمایا، بیگانوں کو ستانے میں تو یہ حال ہوتا ہے، اپنے یگانوں کو ستانے میں قیامت
کے روز کیا حال ہو (قلمی نسخہ ص ۱۱۹ - ۱۱۸)

یہ حکایت امیر خسرو ہی خاص طور سے قلمبند کر سکتے تھے، کیونکہ ان کے دل میں ہندو
کی جو محبت بھری تھی، اس کا اظہار انھوں نے اپنی مثنوی نہ سپہر میں کیا (تفصیلات
کے لیے (دیکھو میرا رسالہ "ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں")

سلطان شہاب الدین غوری یعنی سلطان معز الدین سام کے کردار کے متعلق
ایک سبق آموز روایت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی مجلس میں اس طرح
بیان کی گئی ہے،

فرمایا کہ سلطان معز الدین محمد سام انار اللہ برہانہ کی عادت تھی کہ جب
کوئی بوڑھا آدمی اس کے پاس آتا تو وہ تخت سے اٹھ جاتا، کھڑا رہتا اور

نہیں پوری کرتا، وزرا نے عرض کیا کہ یہ بات ٹھیک نہیں کہ وہ کھڑے
، سلطان نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ اس کا مقصد کیا ہے، انھوں نے جواب
جانیں، حضرت خلیفہ بہتر جانتے ہیں، فرمایا کہ میں سفید بال کی
اٹھ جاتا ہوں تا کہ کل قیامت کے روز میرا حشر بھلان بوڑھوں
شاید ہو جائے، اور دوزخ کی آگ سے نجات ہو، حق تعالےٰ نے
میں اپنے نور کا اضافہ کیا ہے، اس نور کی عزت سے شاید میری نجات
ے، (قلمی نسخہ ص ۲۸)

کایات ولوامع الروایات مرتبہ سدید الدین محمد عوفی میں شہاب الدین غوری
کے متعلق کچھ ایسی ہی روایتیں ہیں۔
الدین ایلتمش کی سیرت سے متعلق بھی افضل الفوائد میں ایک روایت
ادمیں بھی ہے، دونوں کی عبارتیں یہ ہیں۔

ل الفوائد

طان شمس الدین انار
ارسم بود کہ نیم شب در
ول شد، وآن زمان
و آب بستدی، وضو کردے
بندگان بیدار نہ کردے
حال سوال کردند فرمود
غ بر دیگرین نہیم دایشان

فوائد الفواد

از عقیدۂ خوب او (ایلتمش) فرمود کہ شبہا
بیدار بودے وچوں از خواب بیدار شدی
وضو ساختے، دوگانہ گزاردی وباز در
خواب شدہ وہیچ کس را بیدار نہ کردے

را از خواب بیدار نکنم (ص ۲۶)

اوپر کے دونوں اقتباسات لفظ بہ لفظ نہیں ہیں، معناً یکساں ضرور ہیں، ممکن ہے کہ
یہ روایت امیر خسرو کے سامنے بھی دہرائی گئی ہو، پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایسی باتیں
نہ ہوتیں تو کہا جاتا کہ افضل الفوائد میں وہ موضوعات نہیں ہیں، جو فوائد الفواد میں
ہیں، اور اگر ایسی باتیں پائی جاتی ہیں تو کہا جاتا ہے، کہ فوائد الفواد ہی کے مضامین
دہرا دیئے گئے ہیں،

اگر افضل الفوائد پر یہ اعتراض ہے کہ اس سے اس عہد کے سیاسی حالات پر روشنی
نہیں پڑتی ہے، (ص ۳۸) تو یہ اعتراض فوائد الفواد پر بھی کیا جا سکتا ہے، اگر ملفوظات
کے مجموعے تاریخ کی کتابیں نہیں ہوتی ہیں، جن میں سیاسی، سماجی، اور معاشی مواد
کا ہونا ضروری ہو، ضمناً ایسی باتیں آجاتی ہیں، تو ان سے معلومات حاصل کرلی
جاتی ہیں، ورنہ ان میں زیادہ تر مذہبی اور روحانی باتیں بیان کی جاتی ہیں، اگر
کبھی ان میں معاشرہ سے متعلق باتیں آجائیں تو یہ سمجھنا نامناسب نہ ہوگا کہ اس زمانہ
کے معاشرہ کو سنوارنے کے لیے یہ باتیں کہی گئی ہیں، افضل الفوائد میں ہے کہ ایک
مجلس میں یہ بیان کیا گیا کہ آسمان سے بڑی چیز بہتان تراشی اور دروغ گوئی ہے،
زمین سے بھی فراخ تر چیز سچائی کا اعلان ہے، اور دریا سے زیادہ تو انگر چیز خردمند
کا قول ہے، اور آگ سے بھی زیادہ گرم چیز مردم حریص کا قول ہے، اور
زہر سے زیادہ سرد چیز یہ ہے کہ اپنے رشتہ داروں، قرابت مندوں، اور
دوستوں کی حاجت روائی نہ کرکے ان کو ناامید کیا جائے، اور پتھر سے زیادہ
سخت کافروں کا دل ہے، اور یتیموں سے زیادہ خوار تر چیز چغل خوری ہے، تمام

بہتان باندھنے سے زیادہ سخت اور زیادہ ہولناک کوئی اور گناہ نہیں
۴۴) کیا ان ملفوظات سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا ہے، کہ اس زمانہ کے
بعض حلقہ میں بہتان تراشی، دروغ گوئی، اور رشتہ داروں کی حاجت
بے اعتنائی، اور چغل خوری وغیرہ رائج تھی، یہ ساری باتیں ان کی
بے کہی گئی ہیں،

ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں عورتوں میں شرم، حیا، اور عفت کا معیار
نا بجا نا زیادہ ہونے لگا تھا، علماء بے عمل ہو گئے تھے، مغنی، مطرب، مسخرے
بڑھ گئے تھے، اور ان کی سرپرستی ہونے لگی تھی، مرد رنگین کپڑے پہننے لگے
کو فروخت کرنے لگے تھے، دنیا کے مال کی خاطر حق کو ناحق قرار دیا جانے لگا
ان ہی باتوں کو سامنے رکھ کر حضرت خواجہ نے حدیث کا حوالہ دے کر
ایسی باتیں ہونگی تو زمین سے اگنے والی نباتات میں برکت نہ ہوگی،
رش کم ہوگی، اور اگر ہوگی تو بے وقت ہوگی، (ص ۱۴۸) ایسی
ابواب الفتن اور بخاری و مسلم میں ملیں گی، (دیکھو مشکوٰۃ جلد ۳ ص ۲۲-۲۱)
ظات کی باتیں جب باضابطہ ملائی جائیں گی تو یہ ضروری نہیں کہ ملفوظات
باتیں لفظا بہ لفظ دہرائی گئی ہوں، وہی فرق ہوگا، جو کتاب کو دیکھ کر
ات کو زبانی دہرانے میں ہوگا، مجلس میں زبانی باتیں کہنے کا انداز ہی
کہنے میں بعض اوقات کچھ باتیں اس طرح بڑھ جاتی ہیں یا کم ہو جاتی ہیں کہ
ہو جاتی ہیں، مگر مفہوم میں زیادہ فرق نہیں ہوتا، ان میں جو مفید
ان سے درس حاصل کیا جائے، نہ کہ تحقیقات کے پردے میں

ہر قسم کی خامیاں دکھائی جائیں، آج کل بھی بعض باتیں ایسی کہی جاتی ہیں،
جن میں ایک عیب جو ہر قسم کی خامیاں دکھا سکتا ہے، مثلاً مولانا اشرف علی
تھانویؒ نے اپنے ایک وعظ میں نصاب الاحتساب کے مصنف قاضی ضیاء الدین
سنامی اور خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی ایک حکایت سنائی، جو انھوں
نے اپنے ایک بزرگ سے الہ آباد میں سنی، ان بزرگ نے یہ حکایت اپنے کسی
بزرگ کی کسی کتاب سے نقل کی ہے، اور وہ ایسے بزرگ تھے جن کو حضرت خضر علیہ السلام
ملا کرتے تھے، ان کے یہاں ایک کتاب حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھ سے
لکھی ہوئی ہے، شاید انھوں نے حاشیہ کے طور پر کوئی فائدہ لکھنا چاہا تھا،
مگر نہ لکھ سکے، آگے نہیں لکھ سکے، وہ کتاب تبرک کے طور پر ان کے کتب خانہ میں
رکھی ہوئی ہے، ان ہی بزرگ نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور قاضی
ضیاء الدین سنامی کی یہ حکایت سنائی۔

"قاضی صاحب (یعنی قاضی ضیاء الدین سنامی) کا وقت وصال سلطان جی (یعنی
حضرت سلطان الاولیا خواجہ نظام الدین اولیا) سے پہلے آیا، سلطان جی انکی
عیادت کو گئے دروازہ پر پہنچ کر اجازت مانگی، قاضی صاحب نے فرمایا سلطان جی سو کہدو
کہ یہ وقت وصال حق کا وقت ہے، اس میں بدعتی کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا،
سلطان جی نے جواب دیا کہ قاضی صاحب سے عرض کر دو کہ وہ بدعتی ایسا
بے ادب نہیں کہ بارگاہ سنت میں بدعت سے ملوث ہو کر آتا، وہ حضرت والا کے
مذاق سے واقف ہے، اور آپ کے مذاق کی پوری رعایت کر کے حاضر ہوا ہے،
میں اس بدعت سے توبہ کر کے حاضر ہوا ہوں، یہ جواب سن کر قاضی صاحب پر حالت

ری ہوگئی، اور آبدیدہ ہوکر اپنا عمامہ سر سے اتار کر خادم کو دیا کہ سلطان جی
کہو کہ اس عمامہ پر پانوں رکھتے ہوئے تشریف لائیں، پس ان میں ایک کسر
ہو جاتی رہی، باقی ان کے مقامات عالیہ اور کمالات سے میں ناواقف نہیں ہوں،

گر بر سر دیدۂ چشم من نشینی نازت بکشم کہ نازنینی

قاضی صاحب کا عمامہ لے کر سلطان جی کے پاس حاضر ہوا، تو آپ نے عمامہ کو
رکھ لیا کہ یہ عمامۂ شریعت ہے، اس کو اپنے سر پر رکھ کر حاضر ہونگا، چنانچہ
یف لائے اور قاضی صاحب نے فرمایا۔

خاک را بہ نظر کیمیا کنند آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

ت اب میرا آخری وقت ہے، اور میرے اوپر توجہ فرمائیے، چنانچہ حضرت سلطانؒ
توجہ شروع کی اور ایسی توجہ کی کہ قاضی صاحب کی روح نہایت فرح و شادانی
تھ عالم بالا کو پرواز کر گئی، حضرت قاضی صاحب کا وصال ہو گیا تو سلطان جی
تھے، اور فرماتے تھے، کہ افسوس شریعت کا ستون گر گیا،
حکایت کو ذکر کرکے وہ بزرگ فرماتے ہیں، کہ نہ میں نظام الدین
اجازت دوں نہ ضیاء الدین ہوں کہ جو منع کروں یہ حکایت میں
ار الاخیار میں دیکھی ہے مگر مختصر، تو حضرت یہ تھا ہمارے سلف صالحین
امر بالمعروف میں کہ ایک دوسرے کا ادب کرتے تھے، اور نصیحت
تے تھے، (الحدود والقیود ص ۳۹)
یت اخبار الاخیار سے لی گئی ہے، جس میں مولانا ضیاء الدین سنامی
اس طرح درج ہے:۔

"مولانا ضیاء الدین سنامی دیانت اور تقویٰ میں مقتدائے وقت تھے، شریعت کی
پابندی میں بڑے راسخ تھے، شیخ نظام الدین اولیاؒ کے معاصر تھے، ان سے سماع کے
متعلق احتساب کرتے، شیخ ان سے معذرت کرتے ہوئے، ان کی تعظیم میں کوئی فروگذاشت
نہ کرتے، ان کی ایک کتاب نصاب الاحتساب ہے، جو بدعت کے دقائق اور احتساب
کے ساتھ احکام شریعت پر مشتمل ہے، شیخ نظام الدین اولیاء مولانا ضیاء الدین کے
مرض الموت میں ان کی عیادت کو گئے تو مولانا نے اپنی دستار شیخ کے قدموں میں ڈالدی
شیخ نے دستار کو اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگایا، اور جب وہ مولانا کے پاس بیٹھے تو مولانا
آنکھیں چار نہ کر سکے، جب شیخ اٹھ کر باہر آئے تو مولانا کی وفات کی خبر گونجی، شیخ رونے
لگے اور افسوس کرتے ہوئے کہا کہ شریعت کی حامی ایک ذات تھی، وہ نہ رہی،
رحمۃ اللہ علیہما،

(اخبار الاخیار ص ۱۰۲-۱۰۱)

اخبار الاخیار کی روایت کیا تھی، اور مولانا اشرف علی تھانوی کے مواعظ میں محض اثر
پیدا کرنے کے لیے کیا سے کیا کر دی گئی، اب کوئی عیب جو اور خردہ گیر مولانا تھانوی کی
روایت کو جعلی اور فرضی قرار دے تو اس کا کیا علاج ہے،

افضل الفوائد میں حقوق ہمسایہ، عیادت، بیمار پرسی، دل جوئی، رواداری، اور
نفس کشی وغیرہ پر بہت سے ملفوظات ملیں گے، جو احادیث یا بزرگان دین کے عمل کی روشنی
میں بیان کیے گئے ہیں، ان میں جو تعلیم و تلقین کا رنگ ہے، اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے
کہ اس عہد کے معاشرہ میں جو نا ہمواری کی گئی تھی، جن کو پورا کرنے کا جذبہ تھا، یا یہ اوصاف
موجود تھے، تو ان کو اور بہتر طریقہ سے سنوارنے کی کوشش تھی۔

فوائد پر یہ بھی اعتراض ہے کہ اس میں تصوف اور مذہب کی کتابوں کے حوالے
انگیز حد تک آئے ہیں، ان میں کچھ کتابیں اوراد و وظائف کے مجموعے ہیں کچھ
اور کچھ تفسیر کی کتابیں، تفسیر کشاف، تفسیر امام زاہدی، تفسیر امام ناصری،
تفسیر خواجہ شفیق بلخی کے حوالے ہیں، پھر خواجہ حمید الدین ناگوری کی دو کتابوں
اور لوائح کے بھی نام آئے ہیں، ایک تصنیف تحفۃ العارفین کا بھی ذکر ہے۔

بون کے نام آنے کی وجہ سے انفضل الفوائد کو جعلی قرار نہیں دیا جا سکتا ہے خواجہ
لیا کی مجلسوں میں ان کتابوں کے حوالے نہ آتے تو اور کن کتابوں کا ذکر آتا، خود
احیاء العلوم، الکتاب، ایجاز التفسیر امام ناصری، جوامع الحکایات، روح
صحیحین، طبقات ناصری، قوت القلوب، کشاف، کشف المحجوب، رخ المعانی
شارق الانوار، مکتوبات عین القضاۃ ہمدانی، نافع نوادر الاصول اور ہدایہ کا ذکر
میں خواجہ فرید الدین عطارؒ کا نام آتا ہے، مگر تذکرۃ الاولیاء کا ذکر نہیں اگرچہ
باتیں لی گئی ہیں، انفضل الفوائد میں تو دلیل السالکین، کتاب العارفین، اور انیس
الے ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ کتابیں اس زمانہ میں رائج تھیں اور
میں بار بار یہ ذکر آتا ہے کہ

راد خواجہ یعنی شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہرونی دیدہ ام
ر او شیخ قطب الدین بختیار اوشی بنشستہ دیدہ ام" فرمود کہ شیخ معین الدین
ر اور او خود اینجا بنشستہ"
د کہ در او را او شیخ الاسلام فرید الحق والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز
یدہ ام"

کیا یہ سب فرضی ہیں؟ کیا شروع کے خواجگانِ چشت کی تعلیمات کہیں قلمبند
ہی نہیں ہوئیں؟ کیا ان بزرگانِ دین کے حالات اور خیالات صرف فوائد الفواد اور
سیر الاولیاء ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں، محض یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ یہ ملفوظات دوسری
کتابوں کو سامنے رکھ کر وضع کر لیے گئے ہیں (ص ۶۰)، جب تک یہ پتہ نہ چلے کہ یہ ملفوظات
کن کن کتابوں سے ماخوذ ہیں، محض قلم کے زور سے ان کو فرضی قرار دینا صحیح نہیں، یہ کہہ دینا
بھی کافی نہیں کہ ان ملفوظات میں معمولی مضامین ہیں، اور ان میں زیادہ تر قصص الانبیاءؑ
ہیں، فوائد الفواد میں بھی حضرت حوا، ابراہیم علیہ السّلام، موسیٰ علیہ السّلام، عیسیٰ علیہ
السّلام، اور ہود علیہ السّلام اور خضر علیہ السلام کا ذکر ملے گا، اور اپنے رسول حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک سے تو کتاب بھری ہوئی ہے، اور جس طرح
انفضل الفوائد میں خواجہ ذوالنون مصری، خواجہ فضیل عیاض، حضرت
ابراہیم ادھم، خواجہ ابو تراب نخشبی، خواجہ جنید بغدادی، خواجہ ابوبکر شبلی،
شاہ شجاع کرمانی، خواجہ عبد اللہ سہیل تستری، شیخ شہاب الدین تستری، داؤد
طائی، ابو سلیمان، رابعہ بصری اور حسین منصور حلاج کا ذکر ہے، اسی طرح فوائد الفواد
میں ابراہیم ادھم، شیخ ابو اسحاق گازرونی، خواجہ اجل شیرازی، شیخ احمد معشوق،
حضرت بایزید بسطامی، خواجہ شاہی موتاب، شیخ شبلی، شیخ علی ہجویری، اور
شیخ یوسف ہمدانی کا ذکر ہے۔

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ انفضل الفوائد اور راحت المحبین میں حضرت
نظام الدین اولیاءؒ یا آپ کے شیوخ یا معاصرین کے بارے میں کوئی نکتہ ایسا
نہیں ہے جو دوسری کتابوں میں نہ ملتا ہو یا اس کتاب میں زیادہ صحت و وضاحت

...میلات کے ساتھ درج ہو، (ص ۲۴۸) اگر افضل الفوائد کے مستند ہونے کا
...سکتا ہے، کہ اس میں حضرت نظام الدین اولیاؒ، اور ان کے مرشد کے متعلق
...ہوں جو دوسرے مجموعہ ملفوظات میں نہ ملیں تو ایسی بہت سی روایتیں افضل
...جائیں گی، کچھ مثالیں یہ ہیں،

...س جاری تھی کہ حسن سجزی اور خواجہ عزیز ایک آگئے، یہ ندیم خاص میں تھے، دونوں
...خواجہ کے سامنے اپنے سروں کو زمین پر رکھا، خواجہ پر غلبہ طاری تھا، ان پر
...فرمائی، کہا کہ بیٹھو، پھر خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے عزیز سے کہا کہ ایک غزل
...لے سنے اس وقت تم کو یہاں بھیج دیا ہے، خواجہ عزیز نے جب غزل شروع
...یہ اور تمام مجلس والوں پر ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ بیان
...نہیں آسکتی، خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے اپنا خاص جامہ خواجہ عزیز
...حسن کو عطا کیا، اس طرح اس روز سعادت پر سعادت حاصل
...عزیز نے جو غزل سنائی وہ یہ تھی، میرے پیش نظر قلمی نسخہ میں اشعار
...ق ہیں اسی طرح نقل کیے جاتے ہیں،

...کشائی ازاں روی در بہشت — روشن شود براہلِ نظر حالِ خوب و زشت
...ت کنم مہ و خورشید را اگر — اے ہر کہ خوب خوب بہ پیش تو زشت زشت
...بینیہ خشت و رت کنند — جملہ نگار خانۂ فردوس خشت خشت
...تر شد و خام زاہ سوخت — حال دلِ خراب بگو چو توان نبشت
...گشتم و تو ابر رحمتی — بگذر و کشت زار کہ رست کشتہ گشت
...ن بر نشہ جان دل ببستہ — سلطت اگر گمست زیں مہر سرشت فرشتہ

یہ امیر حسن سجزی ہی کی غزل ہے، مگر ان کے مطبوعہ دیوان میں مذکورہ بالا اشعار دو علحدہ علحدہ غزلوں میں درج ہیں، معلوم ہوتا ہے، کہ عزیز ایکیہ نے دونوں غزلوں کے کچھ اشعار کو لے کر ایک ساتھ لگا دیا، اور بقیہ اشعار کو چھوڑ دیا، میرے پیش نظر قلمی نسخہ میں اشعار کی کتابت میں بڑی غلطیاں ہیں مطبوعہ نسخہ میں مطلع کا پہلا مصرع اس طرح ہے، ع:-

گر پردہ برکشائی ازاں روے چوں بہشت

قلمی نسخہ میں یہ مصرع اس طرح لکھا ہے، ع

گر پردہ برکشائی ازاں روے در بہشت

دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں مطبوعہ نسخہ میں مہ و خورشید را اگر کے بجاے مہ و خورشید را گرا ہے، اسی کے دوسرے شعر میں اسے ہر کہ کے بجاے اسے آنکہ ہے، تیسرے شعر کے پہلے مصرع میں مطبوعہ نسخہ میں رضواں اگر بہ بنید (؟) ہے، چوتھے شعر کا دوسرا مصرع مطبوعہ نسخہ میں بالکل بدلا ہوا ہے: اور وہ یہ ہے:-

ع شرح فراق خویش بتو چوں تواں نوشت

پانچویں شعر کے پہلے مصرع میں مطبوعہ نسخہ میں کشت امید کے بجاے تخم امید ہے، اور دوسرا مصرع یہ ہے،

بگذر بکشت زار کہ زارست حال کشت

آخری شعر کے پہلے مصرع میں چند اسے حسن بر نشہ جاں کے بجاے مطبوعہ نسخہ میں چند یں حسن بر شتہ جاں ہے، اور اس کا دوسرا مصرع اس طرح ہے،

ع مہلت گر گست چہ شد مر بمش سرشت

...تابت کی ان غلطیوں کو نظر انداز کر کے اس مجلس میں جو کیفیت طاری ہوئی
...یسا نقشہ فوائد الفواد میں نہیں ملتا، اسی طرح افضل الفوائد میں ہے کہ ایک موقع
... میں نے نقص الانبیاء میں لکھا ہوا دیکھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اس قدر
... کہ اُن کے گوشت پوست اور رخسار کی ساری چیزیں بہہ گئی تھیں، آپ
...ا گیا کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں، جواب دیا کہ میں کیا کروں، کہ میرا یہ
... چیزوں کو دیکھتا ہے، جن کو نہ دیکھنا چاہئے، میں حق تعالیٰ سے مغفرت
...ں کہ وہ مجھ کو اس کے لئے بخش دے، جب خواجہ ذکر اللہ بالخیر نے یہ حکایت
...حسن سجزی مجلس میں حاضر تھے، وہ جھکے اور عرض کیا کہ اسی بات کو میں
...عروں میں ادا کیا ہے، اگر حکم ہو تو عرض کردوں، فرمایا سناؤ، وہ اشعار

...ن چشم مست وآں لب خونخوار را دیدم

زگریہ چشم من خوں شد پشیمانم چرا دیدم

... ایں چشم من بہ سر زلف بلا شوری

ازیں چشم پریشاں ہیں ہمیشہ ایں بلا دیدم

...فتند سوے او ببیں دیدم بلا کردم

ہمہ خوش گفتند روے او ببیں دیدم چہا دیدم

...ہ ذکرہ اللہ بالخیر نے ان اشعار کو سن کر بڑی تعریف کی (ص ۳۸-۳۷)

...ن دونوں مجلسوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان دونوں میں امیر حسن سجزی موجود تھے

گر انھوں نے اپنی فوائد الفواد میں ان کا ذکر نہیں کیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ
دیکھ رہے تھے کہ ان کو امیر خسرو قلمبند کر رہے ہیں، پھر ان کو اپنی فوائد الفواد میں کیسے ذکر
کرتے، حسن سجزی کے مطبوعہ نسخہ میں مذکورۂ بالا غزل ہے، جس میں چھ اشعار ہیں مگر افضل الفوا
میں صرف تین ہی اشعار حسب مطلب نقل کیے گئے ہیں، اوپر کے دوسرے شعر میں کتابت کی
بھونڈی غلطیاں ہیں، اس کا پہلا مصرع مطبوعہ دیوان میں اس طرح ہے،

ندیدا این چشم من جز در سر زلف بلا شورش

اب کتابت کی ان غلطیوں کو دیکھ کر کوئی یہ کہے کہ یہ قسر جعلی ہے تو کیا یہ کہنا صحیح
ہوگا، اسی طرح آخری شعر کا دوسرا مصرع مطبوعہ نسخہ کے مصرع سے بالکل مختلف
ہے، مطبوعہ نسخہ میں یہ مصرع اس طرح ہے،

مرا گفتند گفت دل مکن کردم سزا دیدم

اس اختلاف سے کیا نتیجہ نکالا جا سکتا ہے، ایک تو یہ کہ یہ سب کچھ جعلی اور فرضی ہیں،
یا یہ کہ یہ کتابت کی غلطیاں ہیں یا یہ کہ ملفوظات قلمبند کرنے میں سہو ہو گیا ہو، اس کے بعد
تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایسی بہت سی غلطیاں اور ہونگی جن کو دیکھ کر یہ فرضی بات گڑھنے
میں آسانی ہوگئی کہ یہ ملفوظات جعلی ہیں،

اگر ذہن صاف ہو تو اوپر کی جن دو مجلسوں کی پر کیف باتوں کا ذکر آیا ہے، ان میں
ایسے نکتے پیدا کیے جا سکتے ہیں، جو اور دوسرے مجموعۂ ملفوظات میں نہ ملیں گے، ایسے ہی
نکتے اور مجلسوں میں بھی پائے جاتے ہیں، مثلاً

ایک بار عشق پر کچھ باتیں نکل پڑیں تو خواجہ ادام اللہ برکاتہ کی آنکھیں پُر آب
ہوگئیں اور یہ شعر زبان پر لائے ؎

فلولا کم ماعرفنی الہوی   ولولا الہوی ماعرفناکم

پھر شوق و اشتیاق (یعنی جذبۂ عشق) سے مغلوب ہو کر یہ دو شعر پڑھے

گر عشق نبودی و غم عشق نبودی   چندیں سخن عشق کہ گفتی کہ شنودی

گر باد نبودی سر زلفش کہ ربودی   رخسارۂ معشوق بہ عاشق کہ نمودی

ایک دوسری مجلس میں ہے کہ خواجہ کی چشم پرآب ہو گئی، اور فرمایا کہ عشق کا سر
رمہ ہے کہ اگر یہ آنکھوں میں لگا لیا جائے تو فرش سے عرش تک کوئی حجاب نظر
ئے، پھر یہ دو مصرعے زبان مبارک پر لائے، (ص ۳۹)

عشق آئینہ ایست کاندروزنگی نیست

نامردان را ازیں گل رنگی نیست

گر یہ ساری باتیں بلفظہ بلفظ کسی اور مجموعۂ ملفوظات میں پائی جائیں تو پھر
جائیگا کہ یہ ملفوظات مسروقہ ہیں، ورنہ یہ سمجھنے میں تامل نہ ہونا چاہیے کہ
ایک عارف باللہ ہی کی زبان سے نکل سکتی ہیں، اور ایک صاحب دل ہی
ند کر سکتا ہے، ورنہ ایسی مجلسوں سے دور رہ کر کوئی محض ملفوظات کے
عہ کو فروخت کرنے کی خاطر نہیں لکھ سکتا،

(باقی)

جمالی

لودی اور مغل دور کا شاعر

(۲)

از ڈاکٹر ظفر الہدیٰ مرحوم، مترجمہ جناب سلطان احمد صاحب ڈھاکہ

مثنوی مرآۃ المعانی

یہ مثنوی شش رکنی بحر رمل مقصور میں لکھی گئی ہے، اس میں سات سو اشعار ہیں۔ اس میں تصوف کی مختلف منزلوں کا بیان ہے۔ اس کے دو مخطوطات کا سراغ ملا ہے ایک پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے میں ہے اور دوسرا حبیب گنج کتب خانہ علی گڈھ میں[۱]۔

اس کی ابتدا حمد[۲] سے ہوتی ہے پھر نعت[۳] ہے اور نعت کے بعد شیخ سماء الدین[۴] کی منقبت اور پھر مقصد تصنیف[۵]۔

۱؎ مقالات شیروانی صفحہ ۳۱۲ تا ۳۱۴ (اورینٹل کالج میگزین شمارہ نومبر ۱۹۳۳ء صفحہ ۴۵ تا ۵۴) مصنفہ ایچ۔ آر۔ کے شیروانی بھی دیکھئے ۲؎ مرأۃ المعانی پنجاب یونیورسٹی (مخطوطہ) ورق ۱ الف تا ۲ الف ۳؎ ایضاً ورق ۲ الف تا ۳ ب ۴؎ ایضاً ۳ ب تا ۴ ب ۵؎ ایضاً ۴ ب تا ۵ ب

ی کی ابتداء سراپا سے ہوتی ہے[1]۔ جمالی کا خیال ہے کہ جسم
ا مادی کام انجام دینے کے لیے نہیں بنائے گئے ہیں بلکہ ان کے کچھ روحانی
ں، سراپا میں جن اعضا کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ ہیں "رو، رخسار، خط
دہن، لب، زنخداں، زلف، خال، گیسو، ساعد، قامت اور کمر"
صوف میں مستعمل مختلف اصطلاحات سے بحث کی گئی ہے جیسے کفر، میخانہ، مے فروش، رند
ر تسلیم وغیرہ۔

جمالی نے اس کا سبب تصنیف خود ہی بیان کیا ہے[2]، وہ کہتا ہے کہ اکثر اس سے پوچھا جاتا
یں، زلف، خد و خال، ابرو، موئی، گیسو، چشم و ابرو، قد، کمر، دہن، خط و ذقن شاہد
بت و بتخانہ اور زنار کی کیا اہمیت ہے، اسی لیے اس
نوی لکھ ڈالی، تا کہ سائل اسے پڑھ کر خود ہی اپنے سوالوں کے
اور ایسے سوالات اس سے بار بار نہ پوچھے جائیں اور اسی لیے اس مثنوی کا نام
المعانی رکھا ہے[3]۔ وہ کہتا ہے

از آشکارا و نہاں — اصطلاحِ عارفاں کردم بیاں
ی حجاب انداختیم — انچہ پنہاں بود پیدا ساختیم
ں روشنائی برفزود — گشت مرآتے کہ روئے حق نمود
ں کرد حق الہام او — گشت مراۃ المعانی نام او

ں کا اختتام "خاتمہ" پر ہوتا ہے جس کے چند شعر درج ذیل ہیں

د کہ در بحرِ عظیم — آشنا گشتم بہ دُرِّ یتیم

[1] ب تا ۱۱۱ الف [2] ایضاً ۹ ب تا ۱۵ الف [3] ایضاً ۱۵ الف تا ۵ ب

اندر آں دریائے پرخوں بے درنگ — خویش را انداختیم مثلِ نہنگ
غوطہ خوردن ہمچو غواصانِ دور — مشکلِ خود ساختیم آسان و دور
عین معنی چوں صدف بشگافتیم — گوہر اسرار حق دریافتیم
اے جمالی جملہ دریا نوش باش — چوں صدف پُر در شو و خاموش باش

اس مثنوی سے نہ صرف اتنا ہی پتہ نہیں چلتا کہ جمالی کو زبان پر قدرت حاصل تھی بلکہ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ تصوف کے جملہ مسائل سے کما حقہٗ واقف تھا۔ اس نے شستہ، سلیس، دلکش اور مسحور کن زبان استعمال کی ہے۔ تصوف کے جن مسائل کا اس میں ذکر ہے ان پر بحث کرنے کے لیے ادق الفاظ اور مشکل اصطلاحات کا استعمال ناگزیر ہوتا ہے لیکن جمالی ان مراحل کو آسانی کے ساتھ طے کر گیا ہے۔ چند شعر مثالاً درج کیے جاتے ہیں جن سے زبان و بیان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حمد

نامہ آغازم بنامِ ذوالجلال — آں کہ بیروں ذاتش از وہم و خیال[1]
جانِ عالم پرتوِ انوار اوست — عرشِ اعظم نقطۂ پرکار اوست
صانع ہفت و نہ و پنج و چہار — خالق ماہ و خور و لیل و نہار
عالمِ اعیان کہ آیاتِ ویست — حرف ہائے مصحف ذات ویست

نعت

احمد مرسل کہ محبوبِ خداست — در صفِ اول امام انبیاست[2]
گوہر بحرِ صفات و ذات اوست — بیگماں مقصود موجودات اوست

[1] مراۃ المعانی ورق ۱ الف، [2] ایضاً ورق ۲ الف تا ۲ ب

ے ذاتِ آں عالی صفات | در عدم ماندے وجودِ کائنات

حید و نعتِ مصطفیٰ | برکشایم مدح پیر با صفا[1]

ل واجب آمد بر مرید | تا بسازد نام پیرِ خود پدید

نام پیر آمد بدست | برکشاید ہر قفلِ گنجے کہ ہست

ذاتِ پیرِ خود شناخت | با خدا آخر تواند عشق باخت

شق نہ شد بر روئے پیر | با خدا ہرگز نہ شد نسبت پذیر

ینجا بمعنی نقشِ ذات | کہ عیاں بنید وجودِ کائنات[2]

دا ہ او د ورود دراز | ہر کہ اینجا شد نشد بر خویش باز[3]

قدرتِ دانائے راز | می کند ہر سو کہ می خواہد دراز[4]

فنا کوشیدن است | خویشتن را در فنا پوشیدن است[5]

اینجا بمعنی مرشد است | ہر کہ او مرشد نہ دارد ملحد است[6]

جا عالم بے باکی است | در طریقت چستی و چالاکی است[7]

مختلف کیٹلاگ[8] میں درجِ ذیل مثنویات بھی جمالی کے نام سے منسوب ہیں:

بیان حقائق احوال سید المرسلین (ب) محبوب الصدیقین (ج) مہر القلوب

ورق ۹۰ ب [2] ایضاً ورق [illegible] الف [3] ایضاً ورق ۹ ب [4] ایضاً ورق ۱۱۰ الف

ق ۱۱۲ الف [6] ایضاً ورق ۱۱۲ ب [7] ایضاً ورق ۱۱۳ الف [8] کیٹلاگ آف

پٹ آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد اول صفحہ ۲۰۳ تا ۲۰۶ بوہا

اول صفحہ ۳۴۶ تا ۳۶۵ شاہان اودھ کا کتب خانہ صفحہ ۴۴۳ تا ۴۴۴ بوڈلین

۲۸۰۷ تا ۲۸۰۸

(د) کشف الارواح (ہ) فرحت نامہ (و) نصرت نامہ (ز) قدرت نامہ (ح) فضیلت العقل

(ط) نورٌ علیٰ نور۔

الف۔ بیان الحقائق احوال سید المرسلین[1] | یہ مذہبی مثنوی مفصل اور جامع ہے۔ اس کی بحر شش۔ کنی رمل محذوف ہے۔ مولانا روم نے اپنی شہرہ آفاق مثنوی اسی بحر میں لکھی ہے۔ اس کے سات حصے ہیں اور ہر حصے کا نام جداگانہ رکھا گیا ہے۔ اختتام پر کچھ ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مصباح الارواح اس کا پہلا[2] اور شہر المرسلین اس کا ساتواں اور آخری حصہ ہے[3]، باقی حصے یا تو دستیاب نہیں یا جمالی کے نام سے منسوب دوسری مثنویات میں خلط ملط ہو گئے ہیں۔ اس نکتہ پر آگے بحث آتی ہے۔

۱۔ پہلا حصہ مصباح الارواح | یہ بیان الحقائق کا پہلا حصہ ہے۔ اس کی تکمیل ۲۰ صفر المظفر[4] ۸۹۳ھ کو ہوئی

ماندہ بد دہ روز از ماہ صفر | کیں فلک گردید با شمس و قمر

ہشت سال و شصت سالی و ہشت | رفتہ بعد از ہجرتِ شاہ رصد

---

[1] ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال مخطوطہ نمبر ۴۴۶ کیٹلاگ صفحہ ۲۰۳ [2] مثنویاتِ جمالی (ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال مخطوطہ جلد اول ورق ۱۷۶ الف تم القسم الاول من بیان حقائق احوال سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و قد سمی ھذا القسم بمصباح الارواح والحمد للہ رب العالمین [3] ایضاً جلد دوم ورق ۱۰۸ ب تم الکتاب المسمی بشہر المرسلین و باتمامہ تم الاقسام السبعۃ الموعودۃ حسن الکتاب الوارد فی بیان حقائق احوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والحمد للہ رب العالمین

[4] ایضاً جلد اول ورق ۱۷۰ الف

حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی احادیث پر مشتمل ہے۔ اس میں
ات کے حوالے ہیں اور ان کی تشریح کی گئی ہے۔ تشریح میں سمجھانے کے لیے
بھی لکھی گئی ہیں۔ اس میں رسول اللہؐ کی احادیث اور حضرت علیؓ کے اقوال
ل کیے گئے ہیں۔ ان میں ترتیب کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔ کچھ عربی اشعار
ہے

ہیں رسول اللہؐ کے ذکر کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے

بے مصباح نما ید جمال ‎ ‎ حسن خوباں در جبین بے مثال
ر مصطفٰے اور منزلات ‎ ‎ فاش بنمودم دریں ذات وصفات

الارواح مصنف کی پہلی کتاب نہیں۔ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اس ضخیم
ت سے پہلے وہ تیرہ کتابیں لکھ چکا ہے۔

صباح روح عاشقاں ‎ ‎ شعلہ افروز دریں مشکات جاں

ہ کتابوں کے نام اس نے (حصہ اول ورق ۱۷۴ تا ۱۷۵) خود تحریر کیے
ذیل ہیں،

ت (۲) کنز دقائق (۳) روح القدس (۴) تنبیہ (۵) محبوب (۶) کشف الارواح
۸) معلومات (۹) غزل (۱۰) مستزاد (۱۱) قصائد (۱۲) ترجیعات (۱۳) میزان حقائق
امت کے پیش نظر مشکل ہی سے انہیں "کتاب" کہا جا سکتا ہے۔

اول ورق ۱۵۴ الف ۔ مثنویات جالی مخطوطہ (ایشیاٹک سوسائٹی
جلد اول ورق ۱۷۶ الف
۱۷۵ اب

(ب) ساتواں حصہ۔ شرح الواصلین، اس کا پورا نام شرح الواصلین وصیف الجاھلین وشہید المرفیئین وسم الغافلین[1] ہے۔ اسپرنگر (SPRENGER) نے اس کا نام شرح الواصلین وسم الغافلین وشہید المرفیئین وصیف الجاھلین لکھا ہے۔ ایوانوف (IVANOW) نے اپنے کیٹلاگ میں اس کا نام شرح الواصلین وتوصیف الجاھلین[2] لکھا ہے جو غلط ہے، اس حصے کا پورا نام مخطوطہ حصہ دوم ورق ایک اور ۲ الف (ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال) میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ ایوانوف کی نظر سے یہ مخطوطہ گذر چکا ہے، پھر بھی وہ غلطی کر گیا۔ علاوہ ازیں "توصیف الجاھلین" مفہوم کے لحاظ سے بھی بے معنی ہے۔

یہ حصہ ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی تکمیل ۸۷۶ھ (۱۴۷۱-۷۲ء) میں ہوئی[3]

چونکہ شرح الواصلین آرام یافت ‎ ‎ دل زمین یار جام کام یافت
مہر باید کرد بر نام حبیب ‎ ‎ تا شود تاریخ و پیغام غریب
ہجرت آں در دو نوش و صاف کش ‎ ‎ بود اندر ہشت صد و ہفتاد و شش
(۸۷۶ھ)

اس کی زبان وبیان مصباح الارواح کی زبان وبیان جیسی ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح پر صوفیانہ نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے اور حضرت علیؓ کی دل کھول کر تعریف کی گئی ہے۔

چونکہ شرح الواصلین است ایں کتاب ‎ ‎ در تمامیم حسن ماہ در آفتاب
از محمد گویم و از آل او ‎ ‎ وز علی بو طالب و اقبال او

---

[1] مثنویات جالی جلد دوم ورق ایک اور ۲ الف [2] کیٹلاگ آف لائبریری آف اودھ صفحہ ۴۴۶ [3] مثنویات جالی مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد دوم ورق ۱۸۸ اب [4] ایضاً ورق ۱۸۸ اب

مصنف پہلے ایک یا دو حدیث لکھتا ہے پھر اس کا فارسی ترجمہ کرتا ہے پھر نثر میں
کی تشریح کرتا ہے اور اشعار میں دلائل پیش کرتا ہے۔ اس میں شیعہ اماموں
ـدرویشوں کے اقوال ناصحانہ اور صوفیانہ انداز میں نقل کیے گئے ہیں۔

ـدوسرے حصے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے مصباح الارواح (مثنوی کا پہلا حصہ)
ـھ میں اور ساتواں اور آخری حصہ شرح الواصلین ۸۶۷ھ میں مکمل ہوا اس سے ظاہر
ـدوسرے حصے (دوم سے ششم تک) اسی درمیان میں لکھے گئے ہوں گے۔ اس طرح مثنوی
ـحقایق کے ساتوں حصے نو سال میں مکمل ہوئے۔ آخری حصے میں مصنف نے شرح الواصلین
ـی گئی کتابوں کی ایک لمبی فہرست زیر عنوان "اشارات باسامی کتب" دی ہے۔ ان
ـن تین زمانہ کی دست برد سے بچ سکیں واضح ہے کہ یہ ۸۶۷ھ سے پہلے لکھی گئی ہوں گی،
ـنام یہ ہیں۔

ـمحبوب الصدیقین[۱] (۲) مہر القلوب[۲] (۳) کشف الارواح[۳]۔

ـفہرست میں سے اگر ان کتابوں کے نام نکال لیے جائیں جن کے نام پہلے حصے
ـرواح (سالِ تصنیف ۸۶۸ھ / ۶۴-۱۴۶۳ء) میں درج ہیں تو باقی کتابوں کے بارہ میں کہا
ـوہ بھی ۸۶۸ھ اور ۸۶۷ھ کے درمیان لکھی گئی ہوں گی چونکہ تین مندرجہ بالا
ـعلاوہ کسی دوسری کتاب کا سراغ نہیں ملتا اس لیے یہ ممکن نہیں کہ بیان الحقائق
ـحصوں کا تعین کیا جا سکے البتہ یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ ان کے نام شرح الواصلین
ـیا۔

ـجامی (ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال) مخطوطہ جلد دوم ورق ۱۸۲ ب تا ۱۸۳ ب
ـقبت (۲) مرآت (۳) گنج (۴) روح القدس (۱۸۳ ب ورق) (۵) تنبیہ (۶) محبوب

محبوب الصدیقین | یہ ۱۰۸ صفحوں کی ایک مختصر مثنوی ہے لیکن بوہار لائبریری (جلد نمبر ۳۵۷)
میں محفوظ پانچ مثنویوں میں سب سے طویل مثنوی یہی ہے بقیہ چار مثنویاں صرف ۲۷ صفحات
پر مشتمل ہیں۔ یہ بیان الحقائق کا حصہ نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ بیان الحقائق کے پہلے حصے مصباح الارواح
سے دو سال پہلے ۸۶۶ھ میں مکمل ہو چکی تھی[۱]

هفت صد و شصت و شش ز ہجرت اوست   کہ مئے صاف او بجام سبو است

اس مثنوی کا انداز بیان بھی دوسری مثنویوں جیسا ہی ہے لیکن اس کی بحر بدلی
ہوئی ہے۔ یہ مثنوی صدق اور سچائی کی تعلیم دیتی ہے[۲] اس لیے اس کا نام محبوب الصدیقین
رکھا گیا ہے۔ یہ خدا سے لو لگانے والوں کے لیے مشعلِ راہ کا کام دیتی ہے۔

بس کنم این حدیث پُر آشوب   روئے آرم بجانب محبوب[۳]
این مقالات و ذکر آتشبار   جمع کردم ز بہر راہ گذار
تا بخوانند و ذکر راہ کنند   چشم دل سوئے روئے شاہ کنند
زاں درین کتاب اے ستّار   شرح زلفت و خال آں دلدار
اندرین سفر ذکر بتاں نیست   غیر اشراق حالِ مستاں نیست

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۰) (۷) کشف روح (۸) مصباح (۹) احکام (۱۰) نہایت (۱۱) ہدایت (۱۲) ہدایت
(۱۳) فتح ابواب (۱۴) شرح الواصلین (۱۵) ترکیب و ترجیع (۱۶) مشکوٰۃ (۱۷) کلید باب فقر
(۱۸) معلومات (۱۹) مہر افروز (۲۰) مستنزاد (۲۱) قصائد (۱۸۳ ب ورق) (۲۲) غزل
(ورق ۱۸۳ ب) (۲۳) میزان (۲۴) مہر القلوب [۲] مثنویات جامی مخطوطہ (بوہار) نمبر ۳۵۷
ورق ۳۸ ب تا ۱۰۲ الف [۳] ایضاً ورق ۱ ب تا ۲ الف [۴] بوڈلین لائبریری کیٹلاگ ورق ۴۸۷ تا

[۱] مثنویات جامی مخطوطہ بوہار نمبر ۳۵۷ ورق ۱۰۲ الف [۲] مثنویات جامی مخطوطہ بوہار نمبر ۳۵۷ ورق
۳۹ ب [۳] ایضاً ورق ۱۰۲ الف

جامی

ہر کہ او تحقیق و جانباز است طالب ایں کتاب و ایں راز است

مصنف کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب ذاتِ لافانی کے جاننے کا نظارہ کراتی ہے۔
ایک دوسری جگہ وہ کہتا ہے۔

ش صدق آر بیش ایں کلمات تا دریں عرصہ ی نگردی مات
م زبانِ مقطعات شوی ناظرِ وجہ خوب ذات شوی

اس مثنوی میں مندرجہ ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں (۱) مرآۃ (۲) کنز
(۳) شرح چہار (۴) تنبیہ (۵) میزان (۶) غزل (۷) مستزاد۔ ظاہر ہے کہ یہ کتابیں
ی زیر بحث کی تکمیل (۸۶۶ھ) سے پہلے مکمل ہو چکی ہوں گی۔

القلوب| اس مثنوی کا موضوع تصوف ہے۔ اس کی تاریخ تصنیف کا پتہ نہیں
لیکن قیاس ہے کہ یہ ۸۶۶ھ سے قبل لکھی گئی ہے۔ کیونکہ اس کا ذکر نہ لوامع الصدیقین
نیف ۸۶۶ھ) میں ملتا ہے۔ نہ مصابح الارواح (تصنیف ۸۷۸ھ) میں۔ لیکن اس کا
شرح الواصلین میں موجود ہے جو ۸۷۶ھ کی تصنیف ہے۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا
یہ مثنوی ۸۶۶ھ اور ۸۷۸ھ کے درمیان لکھی گئی ہوگی۔

یہ مثنوی اسی بحر میں نظم کی گئی ہے جس میں بیان الحقائق کا پہلا اور ساتواں حصہ نظم ہے۔

یاتِ جامی ورق ۱۰۲ الف ۲؎ ایضاً ورق ۱۰۳ الف ۳؎ ایضاً ورق ۹۸ الف تا ۹۸ ب
ثنویاتِ جامی (ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال) جلد دوم ورق ۱۸۹ الف تا ۲۰۲ الف
ورق ۱ ب تا ۲ الف ۵؎ مثنویاتِ جامی بوہار مخطوطہ نمبر ۳۵۷ ورق ۹۸ الف
ب ۶؎ مثنویاتِ جامی (ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال) جلد اول ورق ۱۷۴ تا
۷؎ ایضاً ورق ۱۸۳ ب

بایدت ایں شمسۂ مہر القلوب در نہیں اندر پئے علم غیوب
حسن دل جو شمسۂ مہر القلوب می دراندم بدم پردۂ غیوب
اے جامی شرح ایں مہر القلوب رو نہاں کن خوش دراں پردۂ غیوب
گر معنی غالب آید در کلام بیش چشم حرف بیناں والسلام

اس مثنوی کی قیاس شدہ تاریخ تصنیف، اس کی بحر، اس کا موضوع اور بیان الحقائق
کے آخری حصہ میں اس کا ذکر، یہ قیاس کرنے کی بنیاد فراہم کر دیتے ہیں کہ یہ بیان الحقائق
کے گم شدہ حصوں میں سے ایک ہو سکتا ہے پھر بھی کامل یقین سے یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔

کشف الارواح| بوڈلین لائبریری کا مخطوطہ نمبر ۱۲۷ چار حصوں پر مشتمل ہے اس کا پہلا
حصہ جامی کی کشف الارواح ہے یہ ۲۰۰ صفحات کی ایک ضخیم مثنوی ہے اس کی ابتدا ۱ ورق
۱ الف سے ہوتی ہے اور اختتام ورق ۱۰۱ الف پر۔

قیاس ہے کہ یہ ۸۶۶ھ اور ۸۷۸ھ کے درمیان مکمل ہوئی ہوگی۔ کیونکہ
لبوب الصدیقین (تصنیف ۸۶۶ھ) میں اس کا ذکر نہیں لیکن مصابح الارواح
(تصنیف ۸۷۸ھ) میں اس کا نام موجود ہے۔ مصابح الارواح جیسی ضخیم کتاب کی تکمیل کے لیے اگر
ایک سال کی مدت مخصوص کی جائے تو اس کتاب کی تاریخ تصنیف ۸۷۷ھ متعین کی جا سکتی ہے۔ کشف الارواح

۱؎ مثنویاتِ جامی بوہار مخطوطہ ورق ۱ ب ۲؎ ایضاً ورق ۲ الف ۳؎ باقی تین
حصے فضیلت النقش، نور علی نور، اور مناجات ہیں۔ ۴؎ مثنویات جامی (بوہار) مخطوطہ ورق
۹۸ الف تا ۹۸ ب ۵؎ مثنویات جامی (ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال)
ورق ۱۷۵ ۶؎ بوڈلین مخطوطہ نمبر (۱۲۷) ورق ۱۰۱ الف بوڈلین لائبریری
کیٹلاگ صفحہ ۷۴۴ تا ۸۴۴

ت نے لکھا ہے کہ وہ اس کتاب کی تکمیل کے بعد مصباح الارواح نامی کتا ب
سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ بیان الحقائق کے گم شدہ حصوں میں سے ایک نہیں۔
س کتاب کا موضوع بھی تصوف ہے۔ اس میں نظم و نثر دونوں کی آمیزش
ری مثنویوں کی طرح اس میں بھی قرآن، حدیث اور بزرگوں کے اقوال
ہیں۔ ان کا فارسی نثر میں ترجمہ اور تشریح ہے۔ اور آخر میں اشعار میں
یان کی گئی ہیں تاکہ قاری اچھی طرح مفہوم سمجھ لے۔ اس کی بحر شش رکنی
وف ہے جو محبوب الصدیقین اور بیان الحقائق کی بحر نہیں۔

ب ہم باقی چھوٹی چھوٹی مثنویوں کا ذکر کرتے ہیں۔ جن کے نام درج ذیل ہیں
ست نامہ[۲] نصرت نامہ[۳] قدرت نامہ[۴] فضیلت العقل[۵] نورٌ علی نور[۶]

م ہوتا ہے کہ یہ مثنویاں کہن سالی میں بیان الحقائق کی تکمیل کے بعد لکھی گئی
ان کا ذکر محبوب الصدیقین، مصباح الارواح اور شرح الواصلین[۷] میں نہیں
ے عنوانات بھی یہی اشارہ کرتے ہیں کہ یہ کہن سالی کی تصنیفات ہیں کہن سالی
صت ہی فرصت تھی، نصرت، قدرت اور فضیلت اسے حاصل تھی اور یہ
ر "نورٌ علی نور" بن گئیں۔

ورق ۱۱ الف بنامت نامہ را سر برکشایم کہ اندر کوئے عشقت می سرایم
جالی بوہار مخطوطہ نمبر ۳۵۷ ورق ۶ ب تا ۱۱ الف [۳] ایضاً ورق ۱۱ ب تا ۲۴
ضاً ورق ۲۴ ب تا ۳۷ الف [۵] بوڈلین لائبریری مخطوطہ نمبر ۱۲۷ ورق ۱۸۱ ب تا
الف
یضاً ورق ۲۰۰ الف تا ۲۱۳ الف [۷] مثنویات جالی بوہار مخطوطہ ورق ۹۸
خطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد اول ورق ۴۷ ب تا ۵۷ ب جلد دوم
ب تا ۱۸۳ ب

ان مثنویوں سے چند شعر نمونتاً درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) بیا فرصت شمار این زندگانی — بچنگ آور حیات جاودانی
(فرصت نامہ ورق ۶ ب)

(۲) جالی بند کن این رانہ خو باں — بہار آمد رواں شد سوئے بستاں
(ایضاً ورق ۱۱ الف)

(۳) بہ تقویٰ اقتدا با مصطفیٰ کن — ببیں آں قامت و رو در خدا کن
بہ پیشِ مرتضیٰ بے شک فنا شو — با این علم و عمل دایم بقا شو
(ایضاً ورق ۱۰ ب)

(۴) جالی دریں حسن گرفتار شد — کہ خوش قامتے دید و بیدار شد
(نصرت نامہ ورق ۱۳ ب)

(۵) جالی معینِ محبت بدید — جالش بدید و بجانش رسید
(قدرت نامہ ورق ۳۷ الف)

(۶) یکے وصل می دید در اصل ذات — یکے فرع می دید اندر صفات
(ایضاً ورق ۴۳ الف)

(۷) مرتضیٰ ساقی و جالی جام — مرتضیٰ بادہ و جالی کام
(ایضاً ورق ۷۳ الف)

(۸) باخرد مند باش و جبر بش (؟) باش — مقصدِ کل نمودمت خوش باش
(نورٌ علی نور ورق ۲۰۷ الف)

ان مثنویات میں نظم و نثر دونوں شامل ہیں حواشی ان کی تشریح اور کہانیاں بھی ان
میں پائی جاتی ہیں

نعتِ سنائی

از

...ام دستگیر رشید سابق صدر شعبۂ فارسی عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

...زبان کے صوفی اور نعت گو شعراء میں حکیم سنائیؒ کو مقام رفیع اور مرتبۂ ... مشرب فقر میں مشائخ صوفیہ انہیں شیخ عالی قدر تسلیم کرتے ہیں، اسم گرامی مجدود ... ور کنیت ابوالمجد ہے، سنائی تخلص فرماتے ہیں،

...ا بلفظ منضود م | زیں قبل نام گشت مجدود م (سنائی)

...دت بہ تحقیق و تعیین مذکور نہیں لیکن مدرس رضوی نے تحقیق کے بعد ... قیاس کہا ہے[1] وطن غزنین تھا،

...ہ مرا بہ غزنین بود | نظم شعرم چو نقش ماچین بود

...ں شعر گوئی کو مدح امراء میں وسیلۂ معاش بنا لیا تھا[2] ایک دن ایک ...س طنز مخلصانہ پر کہ سنائی دروغ گو ہے یعنی مداح امراء ہے اگر قیامت ... دربار میں کیا لایا ہے تو کیا جواب دے گا اس مشغلہ سے توبہ کر کے گو... ...یا بعد ازاں حلقۂ تصوف میں داخل ہو گئے،

...ود دخیل و غریب | راہ عزلت گزیدہ در عالم

...ں تھا کہ شب و روز تاجداروں کے درباروں میں مدح خوانی کرتے

---

[1] ...سنائی مرتبہ مدرس رضوی ص و [2] ایضاً ص ہ

گزرتی تھی یا اب یہ حال ہوا کہ تاجداروں کی نذر تک قبول نہ کرتے، اور اپنے ہاں ان کی حاضری کی درخواست یہ لکھ کر رد فرما دیتے کہ "ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا"[1] دین و دیانت کا یہ درجہ تھا کہ

بعنایت ازلی رہ بسرچشمہ ازلی بردہ و بطور یکہ خود گفتہ بندۂ دین و چاکر ورع و پارسائی بودہ است[2]

برہنہ سر و پا عالم بے تابی و اضطراب شوق میں حج و زیارت مبارک سے مشرف ہوئے غزنین واپس ہوئے تو جذب و مستی کا ایک عالم طاری تھا۔ حالِ دل ترک ماسوا پر مائل تھا شیخ ابو یوسف ہمدانیؒ سے بیعت ارادت فرمائی۔ پھر صحبت شیخ نجم الدین کبریٰ سے بھی فیضیاب ہوئے، وفات کے وقت یہ شعر وردِ زبان تھا،

بازگشتم زاں چہ گفتم زاں کہ نیست | در سخن معنی و در معنی سخن

پایان زندگی کے متعلق قرین صواب قول ۵۴۵ھ (۱۱۵۰ء) سے پہلے کا ہے، شاعر نے یہ تاریخ وصال کہی،

عقل تاریخ نقل او گفتا | طوطی اوج جنت والا[3]

حکیم سنائی نے تقریباً ۲۵ ہزار اشعار کہے ہیں جو ان کی مندرجۂ ذیل تصانیف میں مندرج ہیں:۔

(۱) دیوان قصائد و غزلیات۔ ایک بار یہ دیوان طہران میں اور بمبئی میں طبع ہوا ہے اس میں تقریباً "گیارہ" ہزار اشعار رہے ہیں[4]۔

---

[1] نفحات الانس جامی ص ۶۰۹ [2] مقدمہ دیوان سنائی از مدرس رضوی ص دکب۔

[3] مقدمہ دیوان حکیم سنائی از رضوی ص ... [4] مقدمہ سیر العباد الی المعاد از سعید نفیسی۔

(۲) مثنوی حدیقۃ الحقیقۃ و شریعۃ الطریقۃ: اس مثنوی میں بھی تقریباً گیارہ
…شعار ہیں، ارباب نظر اس کو حکیم سنائی کا شاہکار شمار کرتے ہیں جس کی
…سال کی مدت میں ہوئی۔

…قق | کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں "طریق التحقیق حکیم سنائی" کے نام سے
…صوف میں ایک قلمی مثنوی ہے[1] اس کو محمد فخرالدین صاحب کاتب نے کسی نسخہ
…ہے، آخر کتاب میں یہ عبارت درج ہے:۔

…ت ھذہ الرسالۃ الشریفۃ مسمی طریق التحقیق حکیم سنائی قدس اللہ سرہٗ العزیز

…وی میں چند مختلف صوفیانہ اور الٰہیاتی عنوانوں پر منظوم بحث و تلقین ہے لیکن
…کوئی عنوان نعت سے متعلق نہیں ہے۔

…لعباد الی المعاد | حکیم سنائی نے حدیقہ ہی کی بحر میں یہ مثنوی لکھی ہے اس
…ہونے کی عرصۂ دراز تک نوبت نہیں آئی تھی، جامعۂ طہران کے نامور
… وفیسر سعید نفیسی کی تصحیح اور حسین کوہی کرمانی کے اہتمام سے چھاپ خانہ
…ران میں شائع ہوئی ہے، مثنوی کی معنوی قدر و قیمت کے لحاظ سے حدیقہ
…مثنوی کا مرتبہ مانا جاتا ہے۔

…ی سیر العباد الی المعاد کہ پس از حدیقہ پُر مغز ترین و بہترین مثنویات است[2]

…اس کتاب میں بھی کوئی نعتیہ کلام موجود نہیں۔

…ت | عام طور پر شعرا مثنویات میں حمد کے بعد نعت کو آغاز سخن
…برک جگہ دیتے ہیں لیکن نعتیہ شاعری کے اس اولین ممتاز مخزن "حدیقہ سنائی"

---

[1] …طوطات کتبخانۂ آصفیہ نمبر ۴۳، تصوف فارسی [2] سیر العباد الی المعاد مقدمہ آقای سعید نفیسی

میں موجود ہے، حالانکہ یہ نہیں ہے، باب اول تقریباً سو مختلف نظموں پر مشتمل ہے، تحمید،
توحید، معرفت، فقر و توکل کے کئی پہلو ان پر ان نظموں میں دقیق مباحث درج
ہیں، یہ باب اول زیر نظر نسخہ کے ۱۸۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس طویل باب
کے آخر میں دو نظمیں ہیں، ایک کا عنوان ہے "التمثیل فی خلقۃ آدم و عیسیٰ بن مریم علیہما السلام"

دراصل یہاں سے کلام کا رخ نعت کی طرف رجوع ہوتا ہے، اس نظم میں حقیقت
آدم و فضیلت آدمیت پر چند بلیغ اشارات ہیں، مثلاً

پدر آدم اندریں عالم   ہست از اں دم کہ زاد مریم
تن کہ تو شد ز رنگ آدم شد   جان کہ جان شد ز بوئی آن دم شد
ہر کرا آن دم است آدم اوست   واں کہ را نیست نقش عالم اوست[1]

اس کے بعد اس باب کی آخری نظم بعنوان "ذکر الانبیاء خیر من حدیث الجہلاء"
یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نظم کا ایک حصہ دراصل سید الانبیاء کے ذکر و نعت کی
ایک عام تمہید ہے، کلام کا آغاز منصب انبیاء کے اس ذکر سے ہوتا ہے

انبیاء را ستان دین بودند   عقل را راہ راست بنمودند[2]

لیکن انبیاء علیہم السلام کے راستہ کو لوگ ترک کرنے لگے اور دین حق
روپوش ہونے لگا، لوگ سرگشتۂ رسوم و قیود و حجاز ہو گئے،

دین حق رو لے خود نہاں کردہ   ہر یکے دیو را عیاں کردہ
بدعت و شرک سر بر آوردہ   زندقہ جملہ سر بر آوردہ[3]

حتیٰ کہ بعثت انبیاء کے ظہور سے پہلے بحر و بر میں انسانیت کی تباہی و گمراہی

---

[1] حدیقہ باب اول نظم التمثیل فی خلقۃ آدم ص ۱۷۷–۱۸۰ [2] حدیقہ باب اول ص ۱۸۹
[3] ایضاً ص ۱۹۰

...و اسہ

...ران و مملکت ایران   شدہ از جور یکدگر ویران

...تاختہ سوئے شیر سب   فیل با ابرہہ ز مرغ عرب

...بہ گشتہ بت خانہ   یگر فتہ بنصب بے گانہ

...ت جہاں وپر نیرنگ   بر خرد بند راہ دین شد تنگ[1]

...نسانیت کی اس تباہی و گمراہی کو دور کرنے کے لیے نور ہدایت ...دا جیسا کہ پہلے بھی عہد بعہد انبیاؑ مطالع انوار بن کر ظہور پذیر ...لمات شرک انوار توحید ہی سے رفع ہوتے ہیں اور توحید کے ...ر انبیاؑ ہی ہوتے ہیں، اس لیے حکیم سنائی ثنائے حق کے بعد ثنائے ...کرتے ہیں، خاصۃً نعت احمد مرسلؐ در رحمت عالم

...ثنائی حق بدل   پس بگو نعت احمدؐ مرسل

...چند گفتہ شد طرفے   گفت خواہم ز انبیا شرفے

...ت رسول با زیبی   آن ز پیغمبران بہیں و گزین[2]

...کے بعد باب ثانی یعنی "باب الثانی فی فضیلۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم" ...سلسلہ شروع ہے، پہلی نظم بعنوان "فی فضیلۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم" ...یا ہے۔

...چند شعر آفتاب سعادت کی چند تجلیات کا تذکرہ ہیں کہ آفاق میں ...ظاہر نہیں ہوا کہ اس کے نور کی تعظیم کے لیے دونوں عالم

...ل ص ۱۸۱ [2] حدیقہ باب اول ص ۱۸۱ ذکر الانبیاء

سجدہ ریز ہوگئے ہوں،

آمد اندر جہاں جان ہرکس   جان جانہا محمد آمد و بس

چوں بخندید بر سپہر جلی   آفتاب سعادت ازلی

آن سپہرش چہ بارگاہ ازل   آفتابش کہ احمد مرسل[1]

سنائی نے اس کے بعد سارے انبیاء پر فضیلت کے چند پہلو اور وجوہ کمال بلاغت سے لکھے ہیں،

دیدہ جان پاک آدم ازو   معنی بکر[2] نغز محکم ازو

انبیا ریختہ ہم از زر او   ہرچہ شان نقد بود بر سر او

تا شب نیست صبح ہستی زاد   آفتاب چنین ندارد یاد[3]

ذکر فضیلت کے اختتام پر "عالم جزو" و "نفس کل" کے ساتھ آپ کی نسبت کا بیان ہے،

عالم جزو را نظام بدو   غرض نفس کل تمام بدو

قدمش در ازل نفرسودہ   قدمش در ابد نیاسودہ

ہست کردہ ز نور و لطف گلش   شرق و غرب ازل درون دلش[4]

دوسری نظم کا عنوان ہے، "فی معراجہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ" اس نظم کا مطلع ہے،

برنہادہ ز بہر تاج قدم   پائے بر فرق عالم و آدم[5]

---

[1] حدیقہ باب اول ص ۱۸۴ ذکر الانبیاء [2] معنی بکر نغز محکم کہ عبارت از آیات محکم است۔ ص ۱۸۳ [3] ص ۱۸۵ [4] حدیقہ ص ۱۸۳ [5] حدیقہ ص ۱۸۴-۱۸۵ [6] ایضاً ص ۱۸۵-۱۸۴

اس کے بعد ذکر معراج شروع ہوتا ہے اور صرف سات آٹھ اشعار میں
ت کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے، واقعات کے بیان نے اختصار کے باعث
شارات کی سی صورت اختیار کر لی ہے،

ذات سبحانش الذی اسریٰ … شدہ زانجا بہ مسجد اقصیٰ

ر شب از مسجد حرام بکام … رفتہ ودیدہ و آمدہ بمقام

نمودہ بدو عیاں مولیٰ … آیۃ الصغریٰ و آیۃ الکبریٰ

راج مبارک کے اس بیان میں بیانیہ مثنویات کا سا نہ تسلسل ہے نہ
رف چند اشعار میں بلا ترتیب چند اہم واقعات کی طرف اشارے
گئے ہیں۔ یہ فارسی شاعری کا پہلا معراج نامہ ہے، اولیت و معنویت
سے اس کی اہمیت ہے، یہ معراج نامہ کی پہلی کڑی ہے، سنائی کے بعد کے
ت گو شعراء نے معراج نامہ کو ارتقاء کے مدارج کمال پر پہونچا
صاً نظامی کی نعتیہ شاعری میں معراج نامے نعتیہ شاعری کی معراج پر
ے ہیں۔

واقعات معراج کے بعد کی گفتگو معراج کے چند معنوی پہلوؤں پر مرکوز
۔ برخلاف اس کے بعض شعراء واقعات معراج ہی کے سلسلہ میں
ات سمیٹ لیتے ہیں، اس کے بعد سات اشعار حقائق محمدی کے سات نکات
نا ہیں،

د بر زمین بفضل و نظر … خاک آدم ز آفتابش زر

زادہ از یکہ گر بعلم و بدم … آدمؑ از احمدؐ احمدؐ از آدمؑ

غرض عالم آدمؑ از اول … غرض آدمؑ احمدؐ مرسل

از پئے او زمانہ را پیوند … بسر او خدائے را سوگند

در او بودہ جائے روح القدس … پائے او سجدہ جائے روح القدس

گر نہ از بہر عذر او بودے … ذل خاک این کمال نمودے

خلق او مایۂ روح حیوان را … خلق او داد بہ نفس انسان را

تشبیہات ہیئت و فلکیات | ان نکات کے اختتام پر چند نعتیہ مضامین نے ہیئت و فلکیات سے
ماخوذ تشبیہات کا پیرایہ اختیار کیا ہے۔

اس کے بعد نئی نظم کا عنوان پہلی نظم کا تتمہ ہے، البتہ بعنوان فی بدایۃ ذلتہ علیہ السلام
ایک مستقل نظم ہے، اس نظم کے مباحث یہ ہیں،
(۱) ظہور سے پہلے نور محمدی کا کیا مقام تھا اور کہاں (۲) فضل قدم نے اس رحمت
الٰہی کو کیوں اور کس طرح رحمت عالم آب و گل دی (۳) اس ظہور رحمت کے کیا آثار
پیدا ہوئے۔

اس کا جواب سنائی کی زبان پر یہ ہے۔

جان او بودہ در طریقت حق … گوہر حضرت حقیقت حق

رحمت آب و گل درین عالم … رحمتش نام کردہ فضل قدم

زانکہ بنمود حق بجان و دلش … رمزہا ء حقیقت از دلش

طلبتش زسنت جہان آمد … راحتش راحت روان آمد

اس کے بعد کی نظم میں سنائی "رسولؐ کی یہ کرامت و امتیاز بیان کرتے ہیں کہ اگر پیش آدم
ن ہوگیا تو آپؐ کا شیطان مسلمان و ملک ہوگیا آپؐ نور بینندہ و دل جوئندہ" ہیں
یان خلق و حق | فی اتباعہ علیہ السلام کے زیر عنوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا
کے درمیان واسطہ قرار دیا ہے۔

اس کے بعد معجزۂ شق القمر اور آتشکدہ کے سرد ہونے کا ذکر ہے۔

اور دیدۂ قبول | معجزات کے بعد سنائی کہتے ہیں کہ "نطق رسولؐ نے جو کچھ عقول انسانی
اسے فطرت انسانی اور روح ایمانی نے دیدۂ قبول پر رکھا"

نطق او ہر چہ در عقول نہاد   روح بر دیدۂ قبول نہاد

نظم اس پر ختم ہوتی ہے کہ جو کچھ نعتیہ مضامین بیان ہوئے ہیں انکی شرح یا سرچشمۂ الم نشرح
خلق و وفاو بسط و فرح   شرح این نعتہا الم نشرح[1]

سولؐ | بعد کی نظم کا عنوان اسی مناسبت سے "فی انشراح صدرہ علیہ السلام" ہے
او کشادہ روح نخست   ہر چہ جز پاک دیدہ پاک بشست[2]

ت | عقل کا تجربہ جوں جوں بڑھتا جائیگا یہ محسوس ہوتا جائیگا کہ نقل کو اشارہ رسول
درگوش برآواز ہونا چاہیے نور رسالت کے بغیر "عقل" بار دیو نفسانی ہوتی ہے
رسالت کے ساتھ فکر، عقل روحانی بن جاتی ہے۔

کز خلق او مو فر سشد   چشمۂ آفتاب دکو فر سشد
دائو دو دارد ز محراب   پیش او خرد را کعبۂ و ناب
ع او روح عقل روحانیست   ورا تو بار دیو نفسانیست[3]

---

۱۹۹ [2] حدیقہ ص ۱۹۹ [3] حدیقہ ص ۲۰۲

وفیات

ڈاکٹر یوسف حسین مرحوم

از

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

گذشتہ ۱۲ر فروری کی رات کو ریڈیو میں خبر سنی کہ ڈاکٹر یوسف حسین اللہ کو پیارے ہوگئے
یہ خبر سن کر ایسا معلوم ہوا کہ کوئی شفیق بزرگ دائمی مفارقت دے گیا رات بڑے کرب سے گذری
ان سے میرا پہلا تعارف ۱۹۳۲ء میں ہوا میں کچھ دنوں جامعہ ملیہ میں بھی رہا قرول
باغ کے جس مکان میں ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم جامعہ ملیہ کے شیخ الجامعہ کی حیثیت سے سکونت
پذیر تھے اسی کے پاس میں ایک مکان میں مقیم تھا ان دنوں ڈاکٹر یوسف حسین
جامعہ عثمانیہ میں تاریخ کے استاد تھے عید منانے اپنے محبوب بھائی ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب
کے پاس آگئے تھے ان کو پہلی دفعہ دیکھا تو سیاہ شیروانی میں ملبوس تھے بہت ہی شکیل اور
رعنا جوان نظر آئے اسی زمانہ میں ان کے بھتیجے امتیاز حسین مرحوم یعنی ان کے سب سے بڑے
بھائی کے لڑکے جامعہ ملیہ سے بی۔ اے کی تعلیم سے فارغ ہوئے تھے اور مزید تعلیم کے لئے
یورپ جانے کی فکر میں تھے وہ خالی اوقات میں میرے پاس آجاتے ان سے معلوم
ہوا کہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے گھر کی عورتیں ڈاکٹر یوسف حسین صاحب کو خوش قسمت
اور مالدار سمجھتی ہیں کیونکہ ان کے یہاں اچھے سوفہ سٹ اور دوسرے

جو اس زمانہ میں ہی تو ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے یہاں نہ تھے۔

کٹر یوسف حسین کے ساتھ عید کی نماز پڑھنے عیدگاہ گیا اور ان کی وجاہت سے
کر گھر واپس آیا۔ ان ہی دنوں ڈاکٹر یوسف حسین نے گارساں دتاسی کے خطبات
کا اردو ترجمہ کیا تھا جو رسالہ اردو حیدرآباد دکن میں شائع ہو رہا تھا یہ
حق کی ادارت میں نکل رہا تھا۔ اس میں کسی کی تحریر کا شائع ہونا اس کی علمی لیاقت
نہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب جامعہ ملیہ سے بی۔اے کرکے فرانس گئے اور پیرس
سے ڈی۔ لٹ کی ڈگری حاصل کی۔ وہاں کے قیام کے زمانہ میں انھوں نے
بان بڑی محنت سے سیکھی اور اس میں مہارت حاصل کی۔ ہندوستان
ر عبدالحق کی فرمائش پر انھوں نے خطبات گارساں دتاسی کا ترجمہ
ں تو اس کے پندرہ خطبات کے ترجمے کے بجائے یہ کتاب ۱۹۳۵ء میں انجمن
کی طرف سے شائع ہوئی تو ڈاکٹر عبدالحق ان کے بہت شکرگزار ہوئے۔ اس
ثمانیہ یونیورسٹی میں شعبۂ تاریخ کے ریڈر ہو چکے تھے۔ انھوں نے فرانسیسی
م سے ایک کتاب بھی لکھی۔

دارالمصنفین آئے ہوئے کچھ دن ہوئے تھے کہ ان کی انگریزی کتاب
جاہ معارف میں ریویو کے لیے ۱۹۳۶ء میں آئی۔ اس کو بہت شوق سے
انگریزی زبان میں ان کی تحریری قدرت کا قائل ہوا۔ اس کتاب میں
نے نظام الملک آصف جاہ کی سیرت نگاری جس طرح کی ہے وہ نظام
کے خاندان سے ان کی محبت کا ثبوت ہے۔ حیدرآباد میں ان کی زندگی کے
دن گزرے اور اسکی یادوں کی قندیلیں برابر روشن کرتے رہے۔

نظام الملک دوسرے مذاہب کے بے بڑے روادار تھے لیکن اپنے اسلامی عقائد میں
بھی پختہ تھے۔ ان کی یہ پختگی بچپن ہی سے تھی۔ وہ زحمت گوارا کرکے تمام مذہبی مراسم
اور عقائد کو بڑے اہتمام سے بروئے کار لاتے۔ وہ اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں
قرآن اور سنت کے احکام کی پابندی کرتے، لیکن وہ غالی قسم کے متعصب مسلمان
نہ تھے۔ وہ دوسروں کے مذاہب کا احترام کرتے، غیر مسلموں کو اہم اور اعلیٰ عہدوں
پر مامور کرتے۔ یہی روش ان کے جانشینوں نے اختیار کی۔ ان کے مزاج کی بے نیازی،
اچھائیوں اور انسانیت نوازی کی وہ تمام لوگ قدر کرتے جن کا واسطہ ان سے
پڑتا، وہ ان کی مدح کرنے کے ساتھ ان سے محبت کرتے۔ اس زمانہ میں جب کہ
ہندوستان کے اور دوسرے حکمرانوں اور زعماؤں کی سیرت کی سطح بہت ہی
نیچی ہو گئی تھی تو اس برے زمانہ میں نظام الملک کا اچھا کردار نمایاں ہو کر
ابھرا (ص ۲۰۴)

ان کی اہم تصنیف روح اقبال ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی تو اس سے ہند و پاک
کے تمام ارباب ذوق ان کی ادبی بالغ نظری سے متاثر ہوئے، چٹان کے ایڈیٹر شورش
کاشمیری مرحوم نے اس کی اشاعت پر لکھا کہ اس سے بہتر کتاب تو پاکستان میں بھی نہیں
لکھی گئی۔ ان کو اقبال سے عشق تھا، اسی لیے اس کے لکھنے میں ان کے ہر صفحہ پر سرشارانہ
کیفیت دکھائی دیتی ہے، شروع میں جب یہ کتاب شائع ہوئی تو اس کو پڑھ کر اس
کے ناظرین شاید یہ کہہ اٹھے ہوں گے کہ اس کی ہر سطر پر ایک کرشمۂ حسن ہے جس کی طرف
دامن دل کھنچ کر رہ جاتا ہے۔ انھوں نے اس کی ابتدا ہی ایسے انداز میں کی ہے کہ معلوم
ہوتا ہے کہ لکھتے وقت ان پر اقبال کی محبت اور عقیدت کا نشہ چھایا ہوا ہے۔

"اقبال کی طبیعت ایسی ہمہ گیر اور ہمہ جہت تھی اور اس کی شخصیت میں ایسے مختلف
عناصر جمع ہوگئے تھے جو عام طور پر کسی ایک شخص کی زندگی میں شاذ و نادر ہی ملتے ہیں۔
اس کے ذہن اور اس کی زندگی میں بلا کی وسعت تھی۔ اس کے جمال پرست اور عشق
پرور دل نے اپنے تخیل کی محل کاریوں سے اپنی ایک الگ دنیا آباد کر لی تھی۔ اس دنیا
کی خیالی تصویر میں اس نے اپنے جذبات کے موئے قلم سے ایسی رنگا رنگی اور تنوع پیدا
کیا کہ انسانی نظر جب اس تصویر پر پڑتی ہے تو پھر ہٹنے کا نام نہیں لیتی۔ اقبال کا آرٹ
دلوں کو لبھانے کے طلسم میں پوشیدہ ہے۔ اقبال کے جسم خاکی میں ایک مصلح حیات کی عرفان جو
صداقت پسند اور نظم آفریں روح تھی جو جذبۂ دینی کے تحت انفرادی اور اجتماعی
زندگی میں ضبط و نظم قائم کرنا چاہتی تھی۔ وہ شاعر بھی تھا اور حکیم نکتہ داں بھی۔ اس کے
...اں درد و سوز بھی ہے اور رندی و مستی بھی۔ نصیحتیں بھی ہیں اور دین و تمدن کی
...لیم بھی، عقل و عشق کی ابدی کش مکش کا بیان بھی ہے اور حسن کی کرشمہ سازیوں
...کی نقاشی بھی"

...اور نقادوں کی طرح محض عبارت آرائی نہیں، یہ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے
...کے آرٹ، شاعرانہ مسلک، تخیلی پیکر، محاکات، خودی، مقاصد آفرینی، انسانی فضلیت
...ستغراق، انسان کامل، حیات اجتماعی، فرد، جماعت، مملکت، تمدن، نظام معیشت، تقدیر
...اختیار، عشق اور موت کے تخیلات کے گہرے مطالعہ کے بعد لکھا ہے، اور جس انداز
...ں نے اقبال کے ان تفکرات کو سمجھ کر سمجھایا وہ اقبال شناسی میں عرصۂ دراز تک
...رہیگا۔ اقبال پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور آئندہ اس سے بھی زیادہ لکھا جائیگا،
...ڈاکٹر یوسف حسین کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اقبال کو پہلی دفعہ جس طرح سمجھانے

کی کوشش کی، اسی کی آواز بازگشت بعد میں سنائی دی۔ غالب کو سمجھانے میں اولیت
کا جو درجہ حالی کی یادگار غالب کو ہے وہی اقبال کو سمجھانے میں روح اقبال کا ہے۔

روح اقبال کے بعد ان کی مشہور کتاب اردو غزل منظر عام پر ۱۹۵۲ء میں
آئی تو اس سے لوگ اردو شعر و شاعری میں ان کی گہری بصیرت سے متاثر ہوئے
اور یہ پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اردو ادب کے حلقہ میں اردو غزل
کو سمجھنے میں اس کتاب سے بڑی مدد ملی۔ انھوں نے اردو غزل کو چار سو صفحے سے زیادہ میں
سمجھایا ہے، اور جس دیدہ وری اور عرق ریزی سے اس کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش
کی ہے وہ ان نقادوں کے لیے ایک درس ہے جو چھوٹے چھوٹے مقالات لکھ کر اردو
کے نقادوں کی صف اول میں جگہ پانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ وہ غزل کے متعلق لکھتے ہیں:

شعر کو قدر کا خادم ہونا چاہیئے نہ کہ اس کو منافی۔ وہ اگر غزل گو شاعر جب زندگی
کا ذکر کرے گا تو لازمی طور پر اس کے لاتعداد امکانوں کی طرف اس کی نظر جائیگی۔
وہ کبھی اپنی خواہشوں کا رنگ ان پر چڑھائے گا اور کبھی ان کے اثر سے اپنی
آرزوؤں کی صورت گری کریگا۔ وہ حسن آفرینی بھی کریگا اور قدر آفرینی بھی۔ لیکن
یہ کام وہ تجرید اور منطقی مقدمات سے نہیں انجام دے سکتا۔ جنانچہ لازمی نتیجہ کلام
میں بے لطف یکسانیت اور سپاٹ پن ہوگا۔ شاعر کی فکر تخیلی اور وجدانی ہونی
چاہیئے جس میں اندرونی جذبے کا رس رچا ہوا ہو۔ بغیر اس کے کلام میں
تاثیر اور دلکشی نہیں پیدا ہو سکتی۔ شعر کی خوبی کا معیار نہ اسلوب میں
پنہاں ہے اور نہ موضوع میں بلکہ شعریت میں جو دونوں سے بالاتر ہے۔ ہم یہ
یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ شعریت تخیلی فکر اور جذبے کی ہم آہنگی کے بغیر

ب پیدا ہوسکتی، اور یہی دونوں اجزا و غزل کی جان ہیں، انہیں سے حسن ادا کی
ن گری ہوتی ہے جو ادب کی بنیادی قدر ہے (اردو غزل (ص ۴۰۔۴۳،۴۴)
کٹر صاحب غزل کو سمجھنے کے لیے گویا یہ پیام چھوڑ گئے ہیں اور جس صاف
نکھری ہوئی اردو میں یہ تحریر قلمبند ہوئی ہے اسی کی شان پوری "اردو غزل"
ہے، جس کا انشا پرداز انہ انداز ارباب ذوق کے ادبی کام و دہن کے
کا باعث بنا رہے گا۔

صاحب حسرت موہانی کی غزل گوئی سے اس قدر متاثر تھے کہ انھوں نے
ان ہی کے نام سے معنون کی، ان کی ایک مستقل کتاب "حسرت کی شاعری"
ں شائع ہوئی، جس میں ڈاکٹر صاحب نے ان کو اپنا خراج عقیدت نذر
ں کیا ہے، حسرت کی غزلوں کے استفہامی اشعار اور بھر جمع کے استعمال سے
میں جو تاثیر اور حسن پیدا کرتے ہیں وہ ڈاکٹر صاحب کو خاص طور پر

دو میں لکھنے کے ساتھ انگریزی میں بھی برابر کچھ لکھتے رہے، اسلامک کلچر
ں ان کے جو مضامین نکلے وہ ۱۹۵۷ء میں کتاب کی صورت میں Glimpses of
Medieval Indian کے نام سے شائع ہوئی جس کے اندر علیحدہ علیحدہ ابواب
ہیں، اسلام اور بھگتی کا عقیدہ، ہندوستان میں تصوف، تعلیمی نظام، اردو
معاشرتی اور اقتصادی حالات، ہندوستان کے عہد وسطیٰ میں ان
جس کو بھی دلچسپی ہے وہ ان کو پڑھ کر ان سے استفادہ کرنے پر مجبور ہے،
معہ عثمانیہ سے پنشن پا کر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اس کے پرو وائس چانسلر

سات سال تک رہے تو ان سے علی گڑھ میں برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں، میری کچھ تصنیف
بھی اس وقت تک شائع ہو چکی تھیں، میں ان سے ملنے جاتا تو میری تصانیف کو اپنی الماری میں
دکھاتے اور اس وقت گھر میں جو میٹھی چیز ہوتی اس سے تواضع کرتے، ان کو رساولی بہت
مرغوب تھی، گھر میں موجود ہوتی تو اصرار کر کے کھلاتے۔

وہ دارالمصنفین کی مجلس انتظامیہ کے رکن بھی نامزد ہوئے تو ان سے تعلقات اور بھی
قریب تر ہو گئے، ۱۹۶۵ء میں دارالمصنفین کی طلائی جوبلی ہوئی تو ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب
کے ساتھ وہ بھی دارالمصنفین تشریف لائے، اسی کے بعد انھوں نے اپنی کتاب یادوں کی دنیا
لکھی تھی جو مجھ کو اور جناب شاہ معین الدین کو اس قدر پسند آئی کہ دارالمصنفین کے سلسلۂ کتب
میں تو نہیں لیکن اس کی طباعت معارف میں کرا دی، ان کی یہ کتاب بھی بہت مقبول ہوئی،
یہ گویا ان کی خود نوشت سوانح عمری کی شکل میں ان کے بیتے ہوئے زمانے کی یادیں
ہیں، ان کی قوت ارادی نے ان کے حافظہ کے دروازے کو کھٹکھٹایا تو یہ سب کے سب
لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوئے جس میں جذبہ کی رنگ آمیزی اور خیالی پیکروں کی تحسین کے
ساتھ ان کے آبا و اجداد، خاندان، ڈاکٹر ذاکر حسین، جامعہ ملیہ، دیار فرنگ، دیار تلنگ،
علی گڑھ، اور بہت سی علمی، ادبی اور سیاسی شخصیتوں کا بہت ہی دلچسپ مرقع ہے، وہ سات
سال تک مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے پرو وائس چانسلر رہ چکے تھے، اسلیے یونیورسٹی کیلیے
دل میں بڑا درد اور نرم گوشہ رکھتے تھے، اس کتاب میں مسلم یونیورسٹی کے اسلامی کردار
کے رہنے اور نہ رہنے کے مسئلہ پر بڑی دلسوزی سے لکھتے ہیں۔

"جو لوگ اسلامی کردار کے مفہوم سے نا آشنا ہیں یا جن کی نگاہ میں اس کی کوئی
اہمیت نہیں ہے وہ اسے قومی وحدت کے تصور کے منافی سمجھتے ہیں، اسلامی کردار

دیا ہے کہ مسلمان طلبہ میں دینی احساس اسلامی شعائر کا احترام قومیت
کے ساتھ ساتھ بیدار رہے، یونیورسٹی کے تمام شعبوں میں خواہ تعلیمی ہوں
ی مسلمانوں کی نمایاں اکثریت رہے، حکومت کے نامزد ارکان کی تعداد
م رکھی جائے، غیر مسلم ارکان ایسے منتخب اور نامزد کیے جائیں جو مسلمانوں
ب اور روایات سے واقف ہوں اور یونیورسٹی کے سچے ہمدرد ہوں
ہ رجعت پسندی ہے اور نہ فرقہ واریت اور نہ قومی وحدت اور
رم کے خلاف بلکہ اقلیتوں کا تسلیم شدہ دستوری حق ہے، جس کو حکومت
ں کر سکتی، سوائے ایسی صورت کے کہ وہ ناانصافی پر اتر آئے" (ص ۵۹۔۶۰)

حب نے یہ لکھ کر ہندوستانی مسلمانوں کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی
یورسٹی کیا مسلمانوں کی دینی حمیت اور ملی غیرت کے ترجمان اپنی
میں بھی بنے رہے، میں پاکستان گیا ہوا تھا تو اس کتاب کا ذکر خیر وہاں
ہر آیا، اس کتاب کی اشاعت کے بعد اردو غزل کا حق طباعت
یا جو یہاں سے شائع ہو کر فروخت ہو رہی ہے،

سف صاحب کو اقبال کے ساتھ غالب سے بھی عشق تھا، انھوں
وہ یورپ تعلیم کے لیے گئے تو اپنے ساتھ صرف تین کتابیں لے گئے،
اقبال کا مجموعہ اور دیوانِ غالب، اسی لیے انھوں نے ۱۹۲۸ء میں
غالب لکھی، اردو غزل میں غالب پر جو باتیں اختصار سے لکھی تھیں
اس کتاب میں لکھیں جو ۴۰۰ صفحے پر مشتمل ہے، غالب پر انھوں نے
میں نے اپنی کتاب غالب مدح و قدح کی روشنی میں بڑا لمبا تبصرہ کیا

ہے اور خوش تھا کہ ڈاکٹر صاحب اس کو پڑھ کر ضرور محظوظ ہوں گے مگر افسوس یہ
کتاب شائع ہوئی جب ان کی رحلت ہو چکی ہے، یہ حصہ ان کی نظر سے نہیں گذرا تو
کتاب کی طباعت سے زیادہ خوشی نہیں ہوئی۔

غالب کی صد سالہ برسی منائی گئی تھی، اس موقع پر جتنے مقالات لکھے اور پڑھے گئے
وہ ان ہی کی نگرانی میں بین الاقوامی غالب سیمینار کے نام سے شائع ہوئے۔

اس اثنا میں جب دہلی جاتا تو ان کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا اور وہ اپنے
یہاں کھانا کھلائے بغیر رخصت نہ ہونے دیتے،

۱۹۷۶ء میں امیر خسرو کا سات سو سالہ جشن حکومت ہند کی طرف سے منایا گیا تو
اس میں مجھ کو بھی شرکت کی دعوت تھی، اس کے مختلف اجلاس میں ڈاکٹر صاحب خاص
طور پر مجھ کو بلا کر اپنے پاس بٹھاتے، جناب علی یاور جنگ گورنر بمبئی کی نگرانی میں اس
جشن کی ساری کاروائیاں انجام پا رہی تھیں، اس موقع پر امیر خسرو سے متعلق
بہت کچھ ناروا باتیں کہی جا رہی تھیں، مجھ کو خسرو سے عشق ہے، ہر ناروا بات کا جواب
دیتا رہا، اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب مرحوم نے میری بڑی ہمت افزائی کی جب
امیر خسرو سے متعلق کوئی ناخوشگوار بات کہی جاتی تو وہ مجھ سے چپکے سے کہتے "اٹھو اور
جواب دو" میرا جواب سن کر میری پیٹھ پر تھپکی دیتے،

اسی موقع پر راشٹرپتی بھون میں حکومت ہند کی طرف سے ایٹ ہوم تھا، ڈاکٹر
صاحب اصرار کر کے مجھ کو اپنے ساتھ وہاں لے گئے، ان دنوں دار المصنفین کا کچھ مسئلہ
ایسا تھا جس کے متعلق ایک مسلمان وزیر حکومت ہند سے گفتگو کرنے والا تھا، مگر ڈاکٹر
صاحب رکن مجلس انتظامیہ دار المصنفین کی حیثیت سے پسند نہیں کرتے تھے کہ ان سے گفتگو

اتفاق سے وزیر صاحب بھی ایٹ ہوم میں تشریف لائے، تو میں نے ڈاکٹر صاحب
ہ ہے، اگر ان سے اس مسئلے پر رسمی گفتگو ہی کر لی جائے، یہ سنا تو میرا ہاتھ
لے نہ جاؤ، ان سے فائدہ کے بجائے نقصان ہی پہونچ جائے گا، پھر ان کے پاس
روک لیا،

میں ڈاکٹر صاحب مرحوم کی کتاب "حافظ اور اقبال" شائع ہوئی، جس
سے ارباب ذوق چونکے، کیونکہ ڈاکٹر صاحب کی اسرار خودی کا پہلا اڈیشن
میں حافظ شیرازی کے متعلق لکھا تھا،

حافظ صہبا گسار | جامش از زہر اجل سرمایہ دار
ت و نوا آموخت است | عشوہ و ناز و ادا آموخت است
جش کہ در مینائے خویش | چوں مریدان حسن دارد خشیش
ز محفل حافظ گذر | الحذر از گوسفنداں الحذر

ر خودی شائع ہوئی تو حافظ سے متعلق اشعار کی بڑی مخالفت ہوئی جس
ر ڈاکٹر صاحب نے اسرار خودی کے دوسرے اڈیشن میں ان اشعار
عام طور سے یہی خیال ہے کہ اقبال حافظ کو پسند نہیں کرتے تھے، لیکن
حسین نے اپنی یہ کتاب لکھ کر اس غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے
حافظ پر کڑی تنقید کرنے کے باوجود اقبال اس کے حسن ادا اور لطافت
تھا اور شعوری طور پر کوشش کرتا تھا کہ اپنی فارسی غزلوں میں اس کا
پیدا کرے، اور اس کے رموز و علائم کو برتے، اس نے حافظ کے
اور رعنائیوں کو اپنے فکر و فن میں رنگینی پیدا کرنے کے لیے نمونے کی

پوری کوشش کی اور میرا خیال ہے کہ وہ بڑی حد تک اپنی اس کوشش میں کامیاب رہا، (ص ۱۲-۱۱)

دونوں کے کچھ اختلافات بھی دکھائے ہیں، مثلاً حافظ انسان کو مجبور محض سمجھتے ہیں، اس کے برخلاف اقبال کی اجتماعی مقصدیت کا تقاضا ہے کہ وہ انسان کو مجبور نہ مانے، حافظ کے اشعار میں خودی کا مروجہ تصور کارفرما ہے، اقبال اپنے تصور میں منفرد ہیں، اسی قسم کے اور اختلافات دکھا کر ڈاکٹر صاحب آخر میں لکھتے ہیں کہ میں پھر اپنے اس خیال کو دہراتا ہوں کہ فارسی زبان کا کوئی شاعر طرز و اسلوب اور پیرایۂ بیان میں حافظ سے اتنا قریب نہیں جتنا کہ اقبال ہے، اس کے ماسوا دوسرا کوئی شاعر حافظ کا تتبع نہ کر سکا، اقبال کو اس ضمن میں اولیت کا شرف حاصل ہے، میں اسے حافظ کے روحانی فیض اور خود اس کو اپنی ریاضت کا ثمرہ خیال کرتا ہوں، (ص ۱۴)

یہ دعویٰ ایسا ہے جو متفق علیہ نہیں کہا جا سکتا، روح اقبال میں ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ لکھا اس سے کسی کو اختلاف نہیں رہا، لیکن اس کتاب میں بہت سی مختلف فیہ باتیں آگئی ہیں، جن کی توضیح آئندہ ہی کی بحث و تمحیص سے ہو سکے گی، لیکن افسوس اس بحث میں خود ڈاکٹر صاحب کا کوئی حصہ نہ ہوگا، مگر وہ جو کچھ کہنا چاہتے تھے وہ کہہ گئے ہیں، ہمارے نقاد اور ادیب اس کو پڑھتے اور اپنی رائے کا اظہار کرتے رہیں گے،

۱۹۷۷ء میں اقبال کا جشن منایا گیا، تو دہلی کے بین الاقوامی سیمینار میں میری بھی شرکت ہوئی، ڈاکٹر صاحب کو اس جشن کا اصلی روح رواں ہونا چاہیے تھا، مگر وہ اس جشن کے منتظمین سے کچھ شاکی نظر آئے، اسی موقع پر غالب اکیڈمی میں ان

...ذکر نہ ہوئے۔ ایک کا عنوان تھا "غالب اور اقبال" اور دوسرے کا عنوان تھا
...اثر اقبال" ایک کی صدارت جرمنی کی مشہور مستشرق خاتون اینی شمیل نے کی جب
...صاحب کا لکچر ختم ہوا تو اینی شمیل نے بہت پرزور تقریر میں ان کے لکچر کی تعریف
...ق سے اس کے بعد وگیان بھون میں ایک ہی میز پر مجھ کو اینی شمیل کے ساتھ بیٹھنے
...ملا۔ گفتگو شروع ہوئی تو وہ بولیں کہ ڈاکٹر صاحب مجھ اس لب و لہجہ میں اپنا
...پڑھ رہے تھے کہ وہ ایک لفظ بھی سمجھ نہ سکیں۔ ان کی یہ گفتگو سن کر مجھ کو ہنسی آ گئی
...صاحب سے یہ گفتگو دہرائی تو وہ بھی ہنسکر کہنے لگے کہ ان لوگوں میں ایسے ہی تصنع ہوا
...ے

ڈاکٹر صاحب نے اپنا مقالہ "حافظ اور اقبال" جناب آنند نرائن ملا کی صدارت
...ھا تھا۔ جب ان کا مقالہ ختم ہوا تو آنند نرائن ملا صاحب نے اپنے مختصر تبصرہ
...ہ "حافظ اور اقبال میں کوئی مماثلت نہیں" اس مختصر رائے سے حاضرین پر سناٹا
ڈاکٹر صاحب بھی یہ سن کر خاموش رہے۔ یہ موضوع کچھ ایسا ہی متنازعہ فیہ ہے
ڈاکٹر صاحب کی کتابیں پاکستان کے ناشر چھاپ کر فائدے اٹھا رہے تھے۔ ان
...ش تھی کہ اقبال اکیڈمی لاہور اس کا حق طباعت ان سے خرید لے۔ ڈاکٹر
...ین ڈائرکٹر اقبال اکیڈمی اقبال کے جشن میں دہلی آئے ہوئے تھے میں نے
...گفتگو کی۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ روح اقبال اور حافظ اور اقبال کو اپنی کمیٹی کے
...یش کریں گے ان کے حق طباعت کا معاوضہ ڈاکٹر صاحب کو دلا دیں گے۔

...ب تک انجام نہیں پا سکا ہے۔
اپریل ۱۹۷۹ء میں انجمن ترقی اردو کی مجلس انتظامیہ میں میری دوبارہ

رکنیت کا انتخاب تھا۔ تو ڈاکٹر صاحب نے محض اپنی محبت میں مجھ کو زیادہ سے زیادہ
ووٹ دلائے۔ ان کی اس محبت کی قدر میرے دل میں برابر باقی رہے گی۔ مئی ۱۹۷۹ء
میں اس کی مجلس انتظامیہ کا جلسہ دہلی میں تھا۔ وہاں پہونچے تو وہ اپنی وضع داری
میں اپنے گھر لے گئے۔ کھانا کھلایا۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ انھوں نے اپنے گھر کے ایک وسیع
کمرہ میں اپنے ذوق کی بہت سی کتابیں کئی الماریوں میں چن کر رکھی تھیں۔ میں نے ان کا جائزہ
لینا شروع کیا تو مجھ کو ان میں سے کئی کتابیں پسند آئیں جن میں مصر کا ایک بہت
ہی خوش خط مطبوعہ کلام پاک تھا۔ ایک لمبی تقطیع کا بھی کلام پاک تھا جو ایران میں
بہت ہی عمدہ کتابت کے ساتھ طبع ہوا۔ اس کو میں دیکھ رہا تھا تو ڈاکٹر صاحب مرحوم
بولے کہ شہنشاہ ایران نے اس کے کچھ نسخے ہندوستان بھیجے تھے۔ ان میں سے ایک ان
کو بھی نذر کیا گیا تھا۔ تاریخ و ادب کی کچھ اور کتابیں تھیں جو مجھ کو پسند آئیں۔ میں نے
ان سے عرض کیا کہ ان میں سے آپ کچھ دارالمصنفین کو فروخت کر دیں۔ فوراً بولے جو
کتابیں پسند آئیں لے جاؤ۔ میری طرف سے دارالمصنفین کو نذر ہیں۔ میں نے عرض کیا
کہ آپ قیمت نہ لیں گے تو میں ان کو دارالمصنفین کے لیے لے جانا پسند نہ کروں گا۔ پھر اصرار
سے کلام پاک کے یہ دونوں نسخے اور کچھ کتابیں میرے ساتھ کر دیں۔ کلام پاک کے یہ
دونوں نسخے یہاں کے کتب خانے کی زینت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ میں نے یہاں سے
بھی خط لکھ کر ان کی قیمت قبول کرنے کے لیے عرض کیا۔ مگر انھوں نے لکھا کہ اس
اصرار سے ان کو تکلیف ہو رہی ہے۔ یہ بھی مجھ کو معلوم ہوا کہ بہت سی کتابیں انھوں
نے جامعہ ملیہ کے کتب خانہ کو دیدی تھیں۔ انھوں نے ان کتابوں کے ساتھ اپنی دو
انگریزی تصانیف ۔

Twostudiesinearlymughalhis بھی دیں اول الذکر کتاب
سر سید احمد کے انگریزی، فارسی اور اردو میں خطوط ہیں، ان ہی کے
ط بھی ہیں جو انگریزوں یا اور دوسرے معاصروں نے انکو لکھے، علی گڈھ مسلم
اریخ لکھنے میں اس کتاب سے استفادہ کرنا ناگزیر ہے، یہ ۱۹۷۴ء میں ایشیا
سے شائع ہوئی، دوسری کتاب ظہیر الدین محمد بابر ہے وہ بکھرا ہیں، بابر
ے عہد وسطی کا بہت ہی دل آویز اور رعنا حکمران گذرا ہے، ڈاکٹر صاحب
م سے اس کی شخصیت اور بھی زیادہ نکھر گئی ہے،

ات میں انھوں نے بتایا کہ انھوں نے غالب کی منتخب غزلوں کا ترجمہ انگریزی
چھپ رہا ہے، اس کے کچھ پروف بھی دکھائے اور کہا کہ بعض انگریزوں
و بہت پسند کیا ہے، خدا کرے ان کا یہ ترجمہ مقبول ہو، ان کی
روان فکر" کے نام سے بھی شائع ہوئی، جس میں اخلاقی قدریں، علم او
ئ میں جبر و اختیار کی چھاؤں اور ادبی قدریں کے عنوانات ہیں، میرا
ھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اور اس حصہ کے شب و روز کے
ت صرف لکھنے پڑھنے میں گذارے، نظام الدین ویسٹ کے مکان میں
گرد اپنے رہنے کے لئے انتخاب کر رکھا تھا، اسی میں علم و ادب کے سارے
نظروں کے سامنے سمٹ کر آتے رہے، جن کو وہ اپنے قلم کی رعنائی سے کاغذ
ل کرتے رہے، وہ کچھ دنوں شملہ میں انڈین انسٹیٹیوٹ آف ایڈوانسڈ
ت، پھر دہلی چلے آئے یہیں آخر وقت تک رہے، یہاں رہ کر علم و ادب
م پی کر سرشار اور مخمور رہے،

ان کی اردو غزل اور یادوں کی دنیا دار المصنفین کے دار الاشاعت کی
چھپی ہیں، گذشتہ جنوری میں ان کی رائلٹی کی رقم بھیجی جس کے شکریہ کا خط آیا یہی
ان کا آخری خط میرے نام تھا، یہاں سے ان کی کتابوں کی رائلٹی بھیجی جاتی تو اس کو
وصول کرتے وقت ایسا محسوس کرتے کہ گویا دار المصنفین کی طرف سے ان کو رقم
مل رہی ہے، اس کو وہ اپنا کوئی حق نہیں سمجھتے۔ یہ ان کی شرافت اخلاقی تھی، ان کی
وضع داری، ان کے رکھ رکھاؤ کا طریقہ، ان کا استغنا اور شہرت سے بے نیازی
کچھ ایسی تھی کہ اس کی مثالیں بہت کم لوگوں میں ملیں گی، دہلی میں رہتے تھے، ہر قسم کے
خاندانی ذرائع تھے، چاہتے تو اپنے لیے حکومت ہی سے بہت کچھ حاصل کر لیتے، خصوصاً
جب وہاں اس کی دوڑ لگی ہوئی ہے، کچھ ایسے مصنف بھی ہیں، جو ایک کتاب لکھتے ہیں، اس
کی رسم اجرا یا رونمائی کراتے ہیں، اور ہر قسم کے فوائد اٹھانے کی فکر میں لگے رہتے
ہیں، مگر ڈاکٹر صاحب نے اپنے علم کے وقار کو کسی موقع پر جھکنے نہیں دیا، وقار خود
ان کے سامنے آکر جھکا، ان کو پانچ ہزار کا ایوارڈ بھی ملا، مگر ان کے بیش بہا علم کی
قیمت لگائی نہیں جا سکتی، ان کو پدم وبھوشن کا اعزاز بھی ملا، مگر خود اس اعزاز
کو ان سے عزت حاصل ہوئی۔

ان کی وفات پر خیال تھا کہ علمی حلقہ میں بڑا ماتم ہوگا، آج کل خاص خاص
حلقے ایسے بنے ہوئے ہیں جہاں کی نرگس ہزاروں سال رونے کے بجائے، صرف ایک
دو سال رو کر اپنے چمن کے دیدہ ور کو دیکھ لیتی ہے، ایسے حلقہ کی نرگس اپنی بے
نوری کی وجہ سے ڈاکٹر یوسف حسین کی دیدہ وری کو صحیح طور پر دیکھ نہیں سکتی،
اس لیے ان کا یہاں ماتم نہ ہوا، تو تعجب کرنے کی بات نہیں، مگر جو اپنی نظروں میں

ے ہیں اور ڈاکٹر صاحب مرحوم کے علم کی بصارت، بصیرت ان کی رائے کی اصابت
دبی ذوق کی پاکیزگی، قلم کی رعنائی، تنقید نگاری کی دل آویزی اور گہرائی
جائے گے اور اکثر یاد کرکے اپنے ذوق ادب اور طرز تحقیق میں نفاست نظافت
فت پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔

کٹر صاحب اب آپ وہاں ہیں جہاں اسلامی درد، مذہبی اضطراب اور ملی
حمیت کی بڑی قدر ہوتی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان محاسن کا بہت بڑا حصہ
تھا اس لیے شفیع المذنبین کے صدقے میں آپ رب العالمین کی رحمتوں اور
سے ضرور سرفراز کیے جائیں گے، آمین ثم آمین۔

یادوں کی دنیا

کٹر یوسف حسین خاں صاحب کی بچپن سے لے کر ان کی ۷۵ برس عمر تک کی آپ بیتی
پر منقسم ہے۔ آخر میں اس کا بہت ہی مفصل انڈکس یا اشاریہ ہے، پہلا باب محمد شاہی
لی ہند کی حالت اور کمپل کے قرب و جوار میں افغانوں کی آبادکاری پر دوسرا
پر تیسرا ان کے سات لائق بھائیوں پر، چوتھا فخر خاندان جناب ڈاکٹر ذاکر
سابق صدر جمہوریہ ہند کے سوانح و حالات اور ان کے علمی و ادبی و تعلیمی
رناموں پر، پانچواں جامعہ ملیہ اسلامیہ پر، جہاں انھوں نے تعلیم حاصل کی
فرنگ پر ہے جس میں خصوصیت کے ساتھ فرانس کے تاثرات و مشاہدات
ں کے ساتھ ہیں، ساتواں باب قیام حیدرآباد پر ہے جس کو دیار تلنگ سے تعبیر
ن مسلم یونیورسٹی علیگڑھ پر ہے جس کے وہ کئی برس پرو وائس چانسلر رہے اور
ت انجام دیں۔ یہ آپ بیتی بڑی ہی ادیبانہ اور انشاپردازانہ ہے اور ہر صاحب ذوق
مطالعہ، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ قیمت: ۲۰؍

باب التقریظ والانتقاد

فہرست مخطوطاتِ عربیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

از

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مئو

مجھے مخطوطات سے بہت شغف ہے، ایک دن اتفاق سے دارالمصنفین جانا ہوا تو پنجاب یونیورسٹی لاہور کی فہرست مخطوطات عربیہ پر کتب خانہ میں نظر پڑ گئی، میں نے اس کو بہت شوق سے پڑھا، میں صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب کا ممنون ہوں کہ ان کی مہربانی سے یہ موقع نصیب ہوا، میں نے فہرست پڑھی تو میرا جی چاہا کہ اس پر تبصرہ کی خدمت میں ہی انجام دوں، تاکہ جس مقصد کے لیے فہرست کے مرتب قاضی عبدالنبی کوکب صاحب نے دارالمصنفین کو یہ پیشکش کی ہے وہ پورا ہو جائے۔

قاضی صاحب کی یہ کاوش لائق تحسین ہے اور وہ اس کے لیے مستحق مبارکباد ہیں، انھوں نے فہرست نگاری کا حق ادا کر دیا ہے، اہل علم کا فرض ہے کہ ان کی حوصلہ افزائی کے لیے مبارکباد پیش کرنے کے ساتھ اس کام میں ان کا تعاون بھی کریں۔

سر دست میں مطالعہ کے بعد کوکب صاحب کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے اس وقت جو باتیں ذہن میں آئی ہیں ان کو عرض کرتا ہوں۔

کوکب صاحب نے ص۱۲ پر عنوان فہارس القرآن کے تحت دو قلمی کتابوں کا

...رف کرایا ہے اور دونوں کا تعارف کراتے ہوئے یہ بات بالکل صحیح لکھی ہے کہ ان
...فات سے جرمن مستشرق فلوگل کا تقدم قرآن کے اشاریہ ساز کی حیثیت سے
...ت نہیں رہتا

مگر ان کا یہ فرمانا کہ "قرآن کی اشاریہ سازی کی طرف توجہ کا سراغ
...طور پر گیارہویں صدی ہجری میں پہونچتا ہے" تو اس کو لکھنے سے پیشتر کوکب صاحب
...راغ رسانی کے لیے کچھ اور تگ و دو کرنے کی ضرورت تھی؛

...قدیم مطبوعہ کتابوں میں ہماری نظر سے ایک اور ہندوستانی عالم مصطفیٰ بن
...ی قابل قدر کتاب گذری ہے، جس کا نام "نجوم الفرقان لتخریج آیات القرآن"
...ب کی زبان فارسی ہے، اور مصنف اورنگ زیب عالمگیر کے لڑکے سلطان محمد
...اد کے دامن دولت سے وابستہ تھا، سال تصنیف ۳۴ سنہ جلوس عالمگیری ہے،
...ی کی نشاندہی علامات نجوم الفرقان سے ہوتی ہے، جس سے ۱۱۰۳ھ نکلتے ہیں؛
مصنف نے الفاظ قرآن کو ان کی موجودہ شکل کے ساتھ حروف تہجی کی ترتیب
...ب کر کے جس پارہ کے جس رکوع میں وہ لفظ پایا جاتا ہے اس کی نشاندہی
...ح کی ہے کہ لفظ پاک زیر و زبر کے ساتھ لکھ کر پارے کا عدد ہندسوں میں
...کوع کا عدد حرفوں میں حروف ابجد کے حساب سے بتایا ہے، مثلاً "آباؤهنّ"
...نی یہ لفظ بائیسویں پارے کے چوتھے رکوع میں ہے، یا مثلاً "اُخطئنا" ۱۶ ب،
...لفظ سولہویں پارے کے دوسرے رکوع میں ہے، کتاب مطبع محمدی لکھنؤ
...شیعہ سید حسین کے حکم سے چھپی ہے،
...س کتاب کا مؤلف لکھتا ہے:-

هرچند تالیفے چند از سلف نیز بنظر
درآمده بود لیکن هیچکدام از آنها
باوجود کثرت حجم که بده دوازده
هزار بیت می رسید در اصل تحصیل مطلب
کافی و مغنی نبود
(ص ۳۰)

باوجودیکہ سلف کی بھی چند کتابیں نظر
سے گذری تھیں مگر ان میں سے کوئی
بھی ضخامت زیادہ ہونے (یعنی دس
بارہ ہزار بیت کی کتاب ہونے کے)
باوجود اصل مطلب کی تحصیل کے لیے کافی
اور دوسری کتاب سے بے نیاز کردینے
والی نہ تھی؛

اس بیان میں سلف کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ مؤلف کی نظر سے بہت پہلے کے علماء کی تالیفات اس موضوع پر گذر چکی تھیں اور یہ کہ فہرست مفصل میں جن دو کتابوں کا ذکر ہے مؤلف اس کو مراد نہیں لے رہا ہے، اس لیے کہ جس صدی میں وہ خود رہا ہو اس صدی کے علماء کو سلف سے تعبیر نہیں کر سکتا، دوسرے اس لیے بھی یہ کتابیں مراد نہیں ہو سکتیں کہ یہ دونوں ضخامت میں اس کی کتاب سے چہار گونہ بڑی نہیں ہیں، اس کی مطبوعہ کتاب ۱۹۸ صفحات پر مشتمل ہے، اور ان دونوں کے صفحات چار سو سے کچھ اوپر ہیں، یعنی دوگنے سے کچھ زیادہ، برخلاف ان کتابوں کے جن کی طرف مؤلف اشارہ کر رہا ہے، وہ چار گونے کے قریب بڑی ہیں، مؤلف خود اپنی کتاب کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ تین ہزار اور کچھ کسر پر مشتمل ہے، اور اس کے مقابل سلف کی ہر کتاب دس بارہ ہزار بیت کی بتاتا ہے، اس تطویل سے میرا مقصد یہ ہے کہ مؤلف کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی اشاریہ سازی کی طرف مسلمان فضلاء گیارہویں صدی سے بھی پہلے متوجہ ہو چکے تھے، یعنی جرمن مستشرق

...دی ڈیڑھ صدی پہلے نہیں بلکہ صدیوں پہلے حاشیۃ العصام علی البیضاوی
...راتے ہوئے کوکب صاحب ص۱۹ پر لکھتے ہیں کہ دوسرا حصہ البناء سے الناس
...بیان میں مؤلف نے کشف الظنون کی پیروی میں غلطی کی ہے صحیح یہ ہے
...غال کے اول سے الناس تک ہے، اس لیے کہ اس کے بغیر حاشیہ دو حصوں
...ہو سکتا، جس کا حاجی خلیفہ نے دعویٰ کیا ہے، کشف الظنون میں غلطی سے
...یائے البناء چھپ گیا ہے،

...س سے پہلے خود مولف سے ایک بھول ہوئی ہے، کہ انھوں نے الاعراف
...انعام لکھ دیا ہے، اس تصحیح کی تائید خود مولف کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے،
...کا ایک نسخہ سورۂ اعراف کے آخر تک دمشق کے دار الکتب الظاہریہ
...ہے" یعنی پہلا حصہ جو اول فاتحہ سے آخر اعراف تک ہے، وہ دمشق میں

...ملا صادق حلوائی کے بارے میں فہرست نگار نے لکھا ہے کہ "ارشد
...پنے اس سارے بیان کے لیے کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا" اس سلسلہ میں
...ض کرنا ہے کہ نواب علی حسن خاں نے "تذکرہ صبح گلشن" میں مولانا محمد صادق
...ذکر کیا ہے، اور یہ لکھا ہے کہ وہ شمس الائمہ حلوانی کی نسل سے تھے، اور مولانا
...ے شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، وہ ان علمائے اعلام میں سے
...رتبہ سے شاعری فروتر چیز ہے، پہلے وطن سے زیارت حرمین کے لیے کمر ہمت
...یہ سعادت حاصل کرنے کے بعد ہندوستان آئے، اور لاہور میں بیرام
...ار کی عنایت سے مسند تدریس و افادہ کو زینت بخشی، دوسری بار

حج و زیارت کا شوق پیدا ہوا، اور حجاز روانہ ہوئے، اس دفعہ لوٹنے کے بعد خان اعظم
میرزا عزیز کوکہ کی تعلیم پر مامور ہوئے، مقبولیت و اطمینان خاطر میں دوسروں سے
بہت آگے بڑھ گئے" آخر میں ہندوستان سے کابل گئے، اور میرزا حکیم کی معلمی کے لیے صدر
مجلس ہوئے، اور اتنا رسوخ بڑھا کہ میرزا کے تمام مہمات کے حل و عقد کی
باگ ڈور انھیں کے ہاتھ میں تھی، عمر کے آخر میں سمرقند چلے گئے،" اور وہاں سے سفر
آخرت اختیار کیا، اس کے بعد ان کے چند منتخب اشعار ذکر کیے ہیں، جن میں
سے ایک شعر یہ ہے، ؎

ہچو خورشید از سفر اے ماہ سیما آمدی   خوب رفتی جان من بیا رزیبا آمدی

اس حوالہ سے یہ معلوم ہوا کہ ملا صادق کی وفات سمرقند میں ہوئی، شاید
اسی لیے نزہۃ الخواطر میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے،

ص۲۳۲ پر بجرق حضرمی کی شرح آیۃ الکرسی وغیرہ پر تبصرہ کیا گیا ہے، بجرق کے
تعارف کے باب میں یہ اضافہ مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کا ذکر سخاوی نے بھی
الضوء اللامع میں کیا ہے، اور بتایا ہے کہ بجرق نے مجھ سے بھی علم حاصل کیا ہے، شاعری
سے بہت دلچسپی تھی، عامر بن عبد الوہاب کی مدح میں انھوں نے قصیدہ لکھا ہے،
شذرات الذہب سے اس کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ ہندوستان کب آئے
تھے، ابن العماد ناقل ہے کہ وہ امیر عدن مرجان بن عبد اللہ کی وفات کے بعد ہندوستان
آئے اور مرجان کا سال وفات خود ابن العماد نے ۹۲۷ھ بتایا ہے، یعنی وہ اپنی
وفات سے صرف اڑھائی تین سال پہلے اور سخاوی کی وفات کے ۲۵ برس بعد
ہندوستان آئے ہیں، اسی لیے الضوء اللامع میں ان کے ہندوستان آنے کا ذکر

ان کی تصنیفات کا'

فہرست نگار نے بحرق کے استاد کا نام عبداللہ مخرمہ لکھا ہے، صحیح عبد اللہ
یا عبد اللہ ابی مخرمہ ہے

رق کی مطبوعہ کتابوں میں ذیل کی دو کتابوں کے ناموں کا اضافہ بھی ضروری ہے'

(۱) الحدیقۃ الانیقۃ فی شرح العروۃ الوثیقۃ، (۲) الحسام المسلول
قصی اصحاب الرسول،

لب صاحب نے ان دونوں کے نام لکھے ہیں' مگر ان کے طبع ہونے کی شاید
طلاع نہیں ہے الحدیقۃ الانیقۃ کو سابق مفتی مصر علامہ حسنین محمد مخلوف نے
کے سنہ ۱۳۔۔ میں مطبعۃ المدنی (مصر) سے شائع کیا ہے' وہ عروہ اور حدیقہ دونوں
ح ہیں' دوسری کتاب بھی مفتی صاحب ہی نے سنہ ۱۳۷۶ھ میں شائع کی ہے' یہ باطنی
د دیں ہے' اس کے بارے میں مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ بحرق نے اس میں ایک
م کے شایان شان اسلام کی طرف سے مدافعت کا حق ادا کر دیا ہے'

ا پر علیا و ابا طلحۃ والزبیر کے بجائے علیا وطلحۃ والزبیر صحیح ہے' بتانا چاہئے
بت کی غلطی یا مؤلف کا سہو ہے'

پر جواہر الاصول کو تقی الدین فاسی کی تصنیف قرار دیا ہے' اور ان کا نام
بن علی بتایا ہے فہرست نگار نے تمام تر خدا بخش لائبریری کے فہرست نگار
ی کی ہے' معلوم نہیں مصنف کا نام محمد بن احمد بن علی کس طرح لکھ دیا گیا جبکہ
صول کے خاتمہ کی عبارت یہ ہے' قال الجامع الجانی تدارکہ اللہ تعالیٰ

ہیں یہ ادرکہ چھپا ہے' حالانکہ تدارکہ ہے'

بلطفہ الکافی ابو الفیض محمد بن محمد بن علی الفارسی اعاذہ اللہ تعالیٰ من
القلب القاسی'

دوسرا تضاد یہ ہے کہ مصنف نے تو خود اپنی کنیت ابو الفیض لکھی ہے' مگر فہرست
نگاروں نے معلوم نہیں کہاں سے ابو الطیب لکھ دیا' حقیقت یہ ہے کہ خدا بخش لائبریری
کے فہرست نگار سے چوک ہوئی ہے' اس نے فارسی کے بجائے، بعض نسخوں میں فاسی
دیکھا' اور محمد بن احمد بن علی تقی الدین فاسی' معاصر حافظ ابن حجر کو ایک بلند پایہ
محدث پایا' تو یہ خیال جما لیا کہ جواہر الاصول کے مصنف وہی ہیں' اور محمد بن محمد کی
طرف یا تو اس نے دھیان نہیں دیا یا یہ سمجھا کہ یہ کتابت کی غلطی ہے' اور چونکہ فاسی
کی کنیت ابو الطیب ہے' اس لیے جواہر کے مصنف کی کنیت ابو الطیب لکھ دی' مانچسٹر کا
فہرست نگار زیادہ ہوشیار اور دیدہ ور معلوم ہوتا ہے اسی لیے اس نے یہ اقرار
کر لیا کہ ہم کو مولف کا سراغ نہیں مل سکا'

تقی الدین فاسی حافظ ابن حجر کے گہرے دوست بلکہ شاگرد بھی تھے' اور حافظ
سخاوی اپنے استاذ کے اس دوست کے بہت بڑے واقف کار تھے' بلکہ روایت میں
شاگرد بھی تھے' انھوں نے ان کا اور ان کی تصنیفات کا تذکرہ شرح و بسط کے ساتھ کیا
ہے' لیکن جواہر الاصول کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے' انھوں نے ان کی ساری
تصنیفات کے نام تو نہیں لکھے ہیں' لیکن یہ بتا دیا ہے کہ کس کس موضوع پر ان کی کتابیں
ہیں' اس سلسلہ میں انھوں نے یہ تو لکھا ہے کہ جو نام ہم نے لیے ہیں ان کے علاوہ اذکار'
دعوات' اور مناسک پر بھی انھوں نے کتابیں لکھی ہیں' لیکن یہ کہیں نہیں لکھا ہے' کہ
اصول حدیث میں بھی ان کی کوئی کتاب ہے'[1]

---

[1] دیکھیے مطبوعہ ۔۔۔۔ ، اور مخطوطہ دار العلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ)

ہرالاصول کا مصنف بڑا خوش قسمت ہے کہ اس کی اس کتاب کے نسخے ہند
سند کے مختلف کتب خانوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں، مکہ معظمہ کے مکتبۃ الحرم
کا ایک نسخہ ہے، اس نسخہ کی پشت پر شیخ عبدالرحمن بن یحیی معلمی (جو ایک وسیع النظر
، برسوں دائرۃ المعارف حیدرآباد میں مصحح رہ چکے ہیں، آخر میں وہ مکتبۃ الحرم
گئے تھے، میرے ان سے دوستانہ تعلقات تھے، جب حجاز حاضری ہوئی تھی تو
یں کبھی کبھی ان کے پاس نشست ہوا کرتی تھی) کے ہاتھ کی یہ تحریر موجود ہے
بوالفیض محمد بن محمد بن علی الفارسی کی تالیف ہے، یہ مصنف فصیح الادیب الحنفی
اراجاتا تھا" غالباً یہ بات انھیں ایضاح المکنون (تکملہ کشف الظنون) سے
ہے،

القول الحسن اور شیخ حمید بن عبداللہ کا ذکر آیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس
ف کے تفصیلی حالات دستیاب نہیں ہوسکے، "نیر استدراکات" میں لکھا گیا ہے کہ
ہوا کہ مصنف مذکور شیخ رحمت اللہ سندھی کے بھائی ہیں، یہ بات فہرست نگار
اطر کے حوالہ سے لکھی ہے، اور صاحب نزہۃ الخواطر نے اس کو النور السافر
لکھا ہے، اسی حوالہ سے ابن العماد نے بہت پہلے شذرات میں اس کو نقل کیا
فہرست نگار نے النور السافر یا شذرات الذہب کی طرف توجہ کیوں نہیں
طرف وہ رجوع کرتے تو ظاہر ہو جاتا کہ صاحب نزہۃ نے یہ بات کہ وہ
سندھی کے بھائی تھے النور السافر سے لی ہے، اس میں شیخ رحمت اللہ سندھی
صراحت پائی جاتی ہے،

...اخ اسمہ حمید — شیخ رحمت اللہ کے ایک بھائی تھے، جن کا نام

کان ایضاً من اهل العلم — حمید تھا، وہ بھی صاحب علم و صلاح تھے، خوش
والصلاح حسن الاخلاق — اخلاق، بڑے متواضع، فضل و کمال میں نمایاں
کثیر التواضع ظاهر الفضل — اور جلیل القدر تھے، آخر عمر میں ان کو دنیاوی
جلیل القدر وحصل له في — عزت و عظمت بھی حاصل ہو گئی تھی،

ان دونوں میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں نو برس مقیم رہے،
اور وہیں وفات پائی، اور ان میں سب سے بڑی بات یہ مذکور ہے کہ وہ ابن علان
صدیقی کے پوتے محمد علی کے شیخ تھے، اور وہ سید محمد بن سید حمزہ حسینی شیخ الاسلام ونقیب
الاشراف دمشق کے استاذ تھے، تعجب ہے کہ ابن العماد نے ان کا سال وفات نہیں لکھا،
شاید اس لیے کہ ان کی وفات سنہ ۱۰۰۰ھ کے بعد ہوئی ہے، اور انھوں نے صرف سنہ ۱۰۰۰ھ
کے اندر وفات پانے والوں کا تذکرہ لکھا ہے،

شیخ حمید سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حدیث کی اجازت لی تھی، اس کا ذکر
خود محدث دہلوی نے ثبت الشیخ عبدالحق المحدث الدهلوی میں کیا ہے، اس رسالہ کے آغاز
میں انھوں نے اپنے مشائخ کا ذکر کیا ہے، اس میں لکھتے ہیں،

"ثم الشيخ العالم العامل تذكرة السلف المتورعين وبقية المشائخ المحدثين
مولانا الشيخ حميد الدين بن القاضي عبد الله السندي"

پھر ہر ایک شیخ کا اجازت نامہ بھی نقل کیا ہے، یہ سب اجازت نامے سنہ ۹۹۸ھ کے
ہیں، صاحب نزہۃ نے اسی ثبت کے پیش نظر حمید الدین کے نام سے ان کا ذکر کیا ہے،
شیخ حمید سے استفادہ کرنے والوں میں شیخ عبدالحق کا نام لینا اس کی دلیل ہے کہ
یہ ثبت صاحب نزہۃ کے پیش نظر تھا، حالانکہ شیخ عبدالحق نے زاد المتقین میں جہاں

حمید کا نام لیا ہے، ان کو حمید الدین کے بجائے شیخ حمید یا شیخ حمید محدث ہی

بدالحق نے زاد المتقین میں لکھا ہے کہ یہ لوگ تین بھائی تھے، شیخ رحمۃ اللہ شیخ
ۃ صالح ان کے والد بزرگوار قاضی عبداللہ سندہ سے چل کر کچھ دنوں
شیخ علی متقی کی صحبت میں رہے، پھر حرمین کی زیارت اور مدینہ منورہ
سعادت حاصل کی،

عبداللہ کے ایک یار و مصاحب شیخ عبداللہ بن سعد اللہ سندی تھے
ر کی وفات کے بعد ان کے لڑکوں کی تعلیم و تربیت انھیں کے ہاتھوں

دور کرنے کے لئے تذکرہ نویسوں پر لازم ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ یا شیخ
بیان کرنے کے وقت "ابن قاضی عبداللہ" لکھیں اور دوسرے
یشہ شیخ عبداللہ کے عنوان کے ساتھ لکھیں جیسا کہ شیخ عبدالحق کا

رہ نویسوں نے شیخ حمید کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا، فہرست مفصل
یورسٹی کے ہم ممنون احسان ہیں کہ ان کی بدولت ہم کو شیخ حمید کی
کا علم ہوا،

ہم یہی جانتے تھے کہ شیخ رحمۃ اللہ ہی اس میدان کے شہسوار رہیں
م ہوا کہ این خانہ تمام آفتاب است، اگرچہ اتنا فرق اب بھی

المتقین قلمی ص۲۵ و ص۲

باقی ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ اور ان کی تصنیفات کا پایہ بہت بلند ہے، ان کی کتاب
جمع المناسک و نفع الناسک کی قدردانی و مدح سرائی اس سے بڑی اور کیا
ہوسکتی ہے کہ شیخ علی متقی اس کے باب میں فرمایا کرتے تھے،

ایں کتابیست کہ در مناسک حج بے	یہ ایسی کتاب ہے کہ مناسک حج میں
عدیل و بے نظیر واقع شدہ است[1]	بے مثل و بے ہمتا واقع ہوئی ہے،

اور شیخ عبدالحق اس کی تائید یوں فرماتے ہیں،

و در واقع آں کتاب ازیں قبیل است	اور در حقیقت یہ کتاب اسی قبیل سے
کہ از ہمہ رسائل کہ دریں باب تصنیف	ہے کہ جتنے رسائل اس باب میں تصنیف
یافتہ اند حافل تر و شامل تر است[2]	ہوئے ہیں، سب سے زیادہ حاوی ہے

خفی غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے لئے یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ عبدالقادر
عیدروس نے النور السافر میں "جمع المناسک و نفع الناسک" کو عبداللہ بن سعد اللہ
کی تصنیف قرار دیا ہے، نزہۃ الخواطر میں اسی کو جوں کا توں نقل کر دیا گیا ہے، حالانکہ
یہ کتاب ۱۲۸۹ھ میں ٹرکی کے مطبع محمودیہ میں طبع ہو چکی ہے، اس کے سرورق پر یہ
لکھا ہوا ہے:

انتقل الی رحمۃ اللہ تعالیٰ مولف	اس کتاب کے مؤلف شیخ رحمۃ اللہ نے
ھذا الکتاب الشیخ رحمۃ اللہ فی الضحوۃ	بوقت ضحوۂ کبریٰ جمعہ کے دن ۱۸ محرم
الکبری من یوم الجمعۃ ثامن عشر محرم	۹۹۴ھ کو انتقال کیا، اور معلا میں مدفون
الحرام سنۃ اربع وتسعین وتسعمأۃ	ہوئے،

---

[1] زاد المتقین قلمی ص۲۵ [2] زاد المتقین قلمی ص۲۵

ملا علی قاری جو خود شیخ عبد اللہ سندی کے شاگرد ہیں لباب المناسک کی شرح
انی لما رأیت لباب المناسک مختصر نفع المناسک العالم العلامۃ
الفہامۃ مرشد السالکین ومفید الناسکین الشیخ رحمۃ اللہ السندی
شرح لباب کا محشی لکھتا ہے کہ نفع المناسک اسم للمنسک الکبیر للشیخ رحمۃ اللہ
کتاب کا ایک نسخہ جس کا سن کتابت ۱۰۶۸ھ ہے میری نظر سے گذرا ہے
ورق پر المنسک الکبیر للشیخ رحمۃ اللہ السندی المکی استکتبہ الفقیر عبد الرحیم
ثم المدنی الحنفی ۱۰۶۸ھ لکھا ہوا ہے، اس کتاب کے دیباچہ میں مولف نے لکھا ہے
تسمیتہ بجمع المناسک و نفع الناسک ،
متقی نے نفع المناسک کے مختصر لباب المناسک کا خلاصہ فارسی میں عجالۃ الناسک
لکھا ہے، اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے
ہے کہ مولانا عبد الحی رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ رحمۃ اللہ کی تصنیفات
مناسک کا نام لیا اور جس کتاب کا یہ اختصار ہے اس کا نام ہی نہیں لیا
وجہ یہی ہے کہ عبد القادر عیدروس نے نفع المناسک کو شیخ عبد اللہ بن
تصنیف بتا کر غلط فہمی پیدا کر دی ہے
رحمۃ اللہ کے ذکر میں ایک سہو یہ بھی ہوا ہے کہ ان کی وفات کی تاریخ ۸ محرم
من المحرم) بتائی گئی ہے حالانکہ صحیح یہ ہے کہ ان کی وفات ۱۸ محرم کو

کے تذکرہ کے ضمن میں ہم نے شیخ رحمۃ اللہ اور ان کی کتاب جمع المناسک

دیکھئے نفع المناسک مطبوعہ کا سر ورق، اور شذرات الذہب ج ۸ ص ۴۲۳

بر ملا شت

کا ذکر کسی قدر تفصیل سے اس لیے بھی کیا کہ فہرست مفصل ص ۲۹ پر پنجاب یونیورسٹی کے
مخطوطہ جمع المناسک کا تعارف کرایا گیا ہے
کوکب صاحب نے معجم المخطوطات کے حوالہ سے جمع المناسک کے جس مطبوعہ ایڈیشن
کا ذکر کیا ہے ہمارے پاس وہی ایڈیشن ہے مگر بروکلمن کے حوالہ سے یہ جو لکھا ہے کہ "کتاب
کی فقط تلخیص طبع ہوئی ہے" یہ صحیح نہیں ہے بلکہ پوری کتاب طبع ہوئی ہے ہاں اس کے
ساتھ شیخ احمد گشتی نوہی مرشد طریقہ نقشبندیہ نے اپنی ایک کتاب "جامع المناسک"
بھی چھاپ دی ہے جو "جمع المناسک" کی تلخیص ہی کی طرح ہے، شاید اسی کو دیکھ کر بروکلمن
نے یہ لکھ دیا ہو کہ جمع المناسک کی صرف تلخیص طبع ہوئی ہے
اس سلسلہ میں چند اور باتوں کی وضاحت بھی ضروری ہے
پہلی بات یہ ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ نے اپنے والد کے ساتھ ٹھٹھہ سے گجرات کا سفر نہیں
کیا تھا بلکہ احمد آباد آئے تھے اور قیام کیا تھا
دوسری بات یہ ہے کہ ترک وطن (سندھ) کا محرک صرف جذبۂ تحصیل علم
نہ تھا بلکہ بعض ملکی و سیاسی حالات کی بنا پر ان کے والد نے اپنے لڑکوں، اہل و عیال
اور خدام کی ایک جماعت کثیر کے ساتھ زیارت مدینہ اور وہاں سکونت اختیار
کرنے کے ارادہ سے سندھ کو خیر باد کہا تھا اور احمد آباد پہنچ کر کچھ دنوں کے
لئے مقیم ہو گئے تھے اور شیخ علی متقی کی صحبت اختیار کر لی تھی پھر جب شیخ کی توجہ سے زادِ راہ
کا انتظام ہو گیا تو منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئے اور حجاز مقدس پہونچ کر
مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی کچھ دنوں کے بعد شیخ رحمۃ اللہ کے والد
بزرگوار قاضی عبد اللہ کا انتقال ہو گیا تو شیخ عبد اللہ نے شیخ رحمۃ اللہ اور ان

…ٹیوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری لے لی۔

…یخ رحمت اللہ کی نشو و نما مدینہ منورہ میں ہوئی اور وہ سالہا سال وہیں
…تدریس اور عبادت میں مشغول رہے تا آنکہ ۷۷۹ھ میں بعض حوادث کی بنا پر
…نہ پھر ہندوستان کا رخ کیا اور احمد آباد آ کر مقیم ہو گئے۔ آخر عمر میں بیمار ہو گئے
…یسی تھی کہ حس و حرکت مفقود تھی۔ مگر اسی حالت میں مقامات مقدسہ کا عزم
…کے احمد آباد سے روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ پہونچنے تک کی مہلت ملی۔ وہاں پہونچ کر
…د اختیار کیا۔

…ری تفصیل اخبار الاخیار اور زاد المتقین میں موجود ہے۔ فہرست مفصل میں
…گئی ہے۔ اس بیان سے اس کی کئی باتوں کی وضاحت اور تصحیح ہو جاتی ہے۔
… حکومت کے وظائف کا جو واقعہ کوکب صاحب نے لکھا ہے اس کے بارے
…الحق یہ لکھتے ہیں کہ شیخ علی متقی ان کے تقوی کا خیال کر کے ان کے لئے وظیفہ
…تھے۔

… صاحب ص۷۹ پر لکھتے ہیں کہ "صرف ملا حیدر کے کچھ احوال حیات بعض کتب
… ہیں"۔ راقم یہ کہتا ہے کہ جس طرح ملا حیدر کے کچھ حالات ملتے ہیں اسی طرح ملا
… ملا مبین کے حالات بھی اسی نزہۃ الخواطر میں لکھے ہوئے موجود ہیں۔ ملاحظہ
…۔ اور مولوی محمد معظم (پسر اوسط یعنی منجھلے لڑکے) ملا مبین کے باب میں صرف
…کہ انھوں نے اپنے بڑے بھائی اور مولانا ولی اللہ کے پاس علم حاصل کیا
…اد بہت اچھی تھی۔ عین جوانی میں بعارضۂ [illegible] انتقال کر گئے۔

…لاخیار ص۲۷۳، زاد المتقین قلمی ص۲۰۰

(صفحہ ۲۲۳ اعقمان الربعہ)

ص۱۱ میں التحریر پر سوالیہ نشان لگا ہوا ہے۔ یہ ابن الہمام کی مشہور کتاب ہے۔ اور مصنف کے شاگرد رشید ابن امیر الحاج کی شرح مسمی التقریر والتحبیر کے ساتھ مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ التحریر کے بعد التقریر سے اسی شرح کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ التحریر سے اصول بزدوی کی وہ شرح مراد ہو جو علاء الدین عبد العزیز سے اسی نام سے لکھی ہے۔ اور التقریر سے اکمل الدین بابرتی کی شرح اصول بزدوی مراد ہو۔

ص۱۲۲ پر صاحب بدائع کے ایک مناظرہ کا ذکر ہے جو سلطان نور الدین کے دربار میں ہوا تھا۔ اور صاحب بدائع نے برہم ہو کر بقول کوکب صاحب کے ڈنڈا اٹھا لیا تھا۔ اس کے بعد کوکب صاحب لکھتے ہیں کہ "اس پر سلطان نے کہا یہ تو بد تمیزی ہے"۔

کوکب صاحب نے غالباً اس واقعہ کو الجواہر المضیئۃ سے نقل کیا۔ اس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ "یہ بد تمیزی ہے"۔ اس میں تو صرف هذا افتات على الفقيه ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے زیادتی کی، یا حد سے آگے بڑھ گئے۔

اس کے بعد کوکب صاحب لکھتے ہیں کہ سلطان نے الکاسانی کو الحلاویہ کا والی بنا کر بھیج دیا۔

کوکب صاحب کے طرز تعبیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ الحلاویہ کوئی ملک یا صوبہ ہے۔ در صورتیکہ حلاویہ حلب کے ایک مدرسہ کا نام ہے۔ اس مدرسہ کے صدر مدرس یا پرنسپل کا سانی سے پہلے رضی الدین سرخسی تھے۔ ان کے ہم عصر علما نے معاصرانہ چشمک کی بنا پر نور الدین زنگی سے شکایت کر کے ان کو برطرف کرا دیا۔ حسن اتفاق سے اسی زمانہ میں کاسانی ترکی حکومت کی طرف سے سفیر بنا کر حلب بھیجے گئے تھے۔

غنیمت سمجھ کر نور الدین زنگی نے رضی الدین کی جگہ کاسانی کو مدرسہ کی
ت سپرد کر دی؛

الہبیہ میں ہے

ضی الدین) عن المدرسۃ	پس رضی الدین درس سے سبکدوش ہو گئے
شق، وکان صاحبہ	اور دمشق چلے گئے اور صاحب بد ائع اسی
رد فی ذالک الزمان	زمانہ میں سفیر ہو کر آئے تھے، نور الدین نے
لہ نور الدین خطہ	ان کی بابت مدرسہ حلاویہ میں خط لکھا اور
حلاویۃ فتولی	وہ اس میں منصب تدریس پر مامور ہو لئے
سلہ	

لاویہ کی نسبت محمد کرد علی لکھتے ہیں کہ وہ بہت بڑا مدرسہ تھا؛ طلبہ کی
یادہ اور اس میں وظائف اور تنخواہوں کا معیار بھی بہت اونچا تھا
دین شہید نے نادار وں کے لیے بہت سے حجرے بنوا دیے تھے
) اس مدرسہ کی عمارت اب بھی باقی ہے؛ حلب کی جامع اموی یا جامع کبیر کے پچھم
رہیں اس کا شاندار قدیم پھاٹک ہے؛ مگر اسکی معنویت ختم ہو چکی ہے؛ میں نے
یں اس کی زیارت کی ہے؛

ن بلکہ اس سے بڑی کہ زیادہ الجواہر المضیئۃ (ص ۱۲۹ ج ۲) میں ہے؛
ا جی خلیفہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "ابن الضیاء ... نے اس تالیف کی
دیہ نی المقدمۃ الغزنویہ کے نام سے لکھی؛ شرح کا نام کشف الظنون

مصر

میں بے شبہہ ایک جگہ یوں ہی لکھا ہے؛ اور دوسری جگہ ضیاء معنویہ لکھا ہے مگر میں
کا صحیح نام الضیاء المعنوی شرح مقدمۃ الغزنوی ہے؛ اور اس کا ایک قلمی نسخہ فرنگی
محل (لکھنؤ) میں مفتی عبد القادر صاحب کے پاس میں نے دیکھا تھا؛ مگر افسوس ہے کہ وہاں
اس کتاب کا صرف نصف اول ہے؛

ص ۱۳۵ پر لکھتے ہیں کہ "مؤلف کی نسبت اشروسنی" "اشروسنہ" بستی کی طرف ہے؛
.... بستی کے نام میں دوسری لغت "اسروشنہ" ہے؛ یاقوت نے بیان
کی ہے مگر پہلی لغت (ھمزہ کے ضمہ اور شین منقوطہ کے ساتھ) "الاشہر الاعرف" کہا
گیا ہے؛

یہاں یہ بتانا بھی ضروری تھا؛ کہ کبھی اسروشنہ میں ایک تاء کا اضافہ کر کے
استروشنہ کہتے ہیں؛ چنانچہ فوائد بہیہ میں ابو جعفر الاستروشنی اور محمد بن محمود الاستروشنی
ہی لکھا ہے اسی طرح جواہر مضیئہ کے انساب میں بھی الاستروشنی ہی ہے؛ اگرچہ سمعانی
کی تصریح کے بموجب اسروشنہ ہی صحیح ہے؛ [1]

ص ۳۱ پر احکام الدماء مولفہ اسروشنی کا تعارف ختم کرنے سے پہلے فہرست
نگار نے یہ نہیں بتایا کہ اس کے قلمی نسخے دوسرے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں یا نہیں؛
اس لیے ایک مختصر سی نشاندہی کی جاتی ہے؛ اس کا ایک نسخہ کتب خانہ بلدیہ اسکندریہ
میں ہے؛ اور ہندوستان میں کتب خانہ شاہ پیر محمد (احمد آباد) میں ایک نسخہ میں نے
دیکھا ہے؛ دوسرا دار العلوم امدادیہ (بمبئی) کے کتب خانہ میں ہے؛ اس کو بھی احقر
نے دیکھا ہے؛

[1] فوائد بہیہ

...ا پر لکھتے ہیں کہ"۔ بہر حال مذکورہ معلومات کی بنیاد پر مولف کا سال وفات
...ری ہجری کے اندر محدود کرنا بے اصل بات ہے۔

...رست نگار کی رائے قرین صواب معلوم ہوتی ہے، جعفر بو بکانی کی تالیفات
...نگار نے عجالۃ الطالبین کا ذکر کیا ہے، مگر یہ کتاب فہرست نگار کی نظر
...ری ہے، میں نے اس کا ایک نسخہ کتب خانہ سعیدیہ حیدر آباد میں دیکھا ہے
...ؤلف نے تصریح کی ہے کہ وہ سنہ ۹۹۲ھ میں عجالۃ الطالبین کی تالیف سے
...

...ست نگار کے پاس جعفر کے سنہ ۹۷۹ھ ہی تک زندہ رہنے کا تحریری ثبوت تھا
...الہ سے اس کی زندگی میں تیرہ[۱۳] سال کا مزید اضافہ ہوا،
...ں یہ بتا دینا بھی خالی از فائدہ نہیں ہے کہ عجالۃ الطالبین شیخ محمد طاہر پٹنی
...موضوعات کا مختصر ہے، میں نے سرسری طور پر اس کا مطالعہ کیا ہے
...امیں ادانی اشتغالی پر سوالیہ نشان ہے، یہ در حقیقت ادانی تعالی ہے، کا تبول
...شتغالی بنا ڈالا، یہ اسی طرح ہے جیسے قال تعالیٰ،
...ف لفظ دوبارہ اسی تحریف کے ساتھ عث ۱۹۸ پر وارد ہوا ہے
...پر طبرذ دالکندی کے بجائے ابن طبرزد الکندی صحیح ہے
...پر حافظ مزنی کے بجائے حافظ مزی صحیح ہے
...پر علامہ کلاباذی کے حق میں حافظ ذہبی کا بھرپور ریمارک نقل
...ذہبی نے اس تقریب سے کہ وہ ان کے رفیق درس (سماع حدیث)
...ی حیثیت سے ذہبی نے ان سے فائدہ اٹھایا تھا، ان الفاظ میں ان

کا ذکر تذکرۃ الحفاظ میں کیا ہے،

سمعت مع الشیخ العلامۃ الفرضی المحدث الصالح شمس الدین
ابی العلاء محمود بن ابی بکر الحنفی وکان احد من عنی بھذا الشان
ورحل وکتب والف، سمعت منہ ....
....
.. .. متقنا للکتابۃ ا[۱]

کوکب صاحب کی نقل سے کلاباذی کا صرف عارف حدیث ہونا معلوم ہوتا ہے، اور ہمارے
حوالہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پختہ کار عالم تھے، اور انھوں نے فن حدیث کا خاص اہتمام
کیا تھا، اور انھوں نے اس کے لئے ملک ملک کی خاک چھانی تھی، حدیثیں سن کر ان کو لکھا تھا،
اور اس فن میں وہ صاحب تالیف ہیں، اور ذہبی جیسے بلند پایہ محدث کا اعتراف ہے کہ اس نے
بھی کلاباذی سے حدیثیں سنی ہیں،

ذہبی نے اس سے زیادہ حقیقت پسندی کا ثبوت المعجم المختص میں دیا ہے، اس میں انھوں
نے ان کے حق میں یہ الفاظ لکھے ہیں،

الحافظ الامام المحدث المتقن،

اور مشتبہ النسبۃ میں بھی الحافظ اور امام و مصنف جیسے الفاظ ان کے حق میں لکھے ہیں[۲]

---

[۱] ص ۱۴۷۳/۴ [۲] دیکھئے مشتبہ النسبۃ ص ۴۵۲/۲

مولانا محمد علی

اس میں مولانا محمد علی جوہر کی پر شور اور ہنگامہ خیز سیاسی زندگی، اور قومی و ملی خدمات
سے متعلق بہت ہی مفید معلومات اکٹھا کیے گئے ہیں، اردو کے سوانحی ادب میں ایک اہم اضافہ۔
مرتبہ۔ سید صباح الدین عبد الرحمن قیمت :- ۵۰-۹

مطبوعات جدیدہ

...معاویہؓ اور تاریخی حقائق :۔ از مولانا محمد تقی عثمانی، بڑی تقطیع کاغذ اچھا،
...اعت بہتر صفحات ۲۰۰، مجلد قیمت اٹھارہ روپے پتہ : الجمعیۃ بکڈپو قاسم جان
...ہلی۔

...ابو الاعلیٰ مودودی کی کتاب "خلافت و ملوکیت" کے جواب میں کئی کتابیں لکھی
...عثمانی نے بھی اپنے رسالہ البلاغ کے کئی نمبروں میں اس کا جواب تحریر کیا تھا
...ہ ہے، اس کے پہلے حصہ میں سیدنا حضرت امیر معاویہؓ سے متعلق خلافت و ملوکیت
...ث و تبصرہ کیا گیا ہے "خلافت و ملوکیت" ہماری نظر سے نہیں گذری، اس جوابی
...جن قابلِ اعتراض باتوں کا جواب دیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں، حضرت امیر
...سیاست دین کے تابع نہ تھی۔ وہ اس کے تقاضے ہر جائز و ناجائز طریقے سے
...ور اس میں حلال و حرام کی تمیز روا نہ رکھتے تھے، انھوں نے قانون کی بالاتری
...اپنے گورنروں کی زیادتیوں پر قانون کے مطابق کارروائی نہیں کرتے
...ی کا خاتمہ کر دیا تھا، وہ خود اور ان کے امرا حضرت علیؓ پر سب و شتم کرتے
...د کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے ولی عہد نامزد کیا اور اس کے لیے بیعت لینے
...ن و طمع اور کھلم کھلا رشوت سے کام لیا وغیرہ، حضرت معاویہؓ جلیل القدر
...ور اسلام کے بڑے مدبروں میں تھے، گو وہ معصوم نہ تھے، تاہم دوسرے

صحابہ کی طرح عادل تھے، مصنف کے خیال میں مولانا کے اعتراضات کو صحیح تسلیم کرنے کا لازمی منطقی نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ فسق و فجور جیسے بڑے گناہوں کے نہ صرف مرتکب تھے، بلکہ انھوں نے ان کو اپنی باقاعدہ اور مستقل پالیسی بنا لیا تھا، جو ظاہر ہے کہ عدالت کے منافی ہے، اس سلسلہ میں عدالت صحابہ پر مفید اور معتدل بحث کی گئی ہے، انھوں نے مولانا مودودی کا یہ خیال بھی نقل کیا ہے کہ تاریخی روایات کے معاملہ میں اگر حدیثوں ہی کی طرح جرح و تعدیل کے معیار پر تحقیق و تنقید شروع کی گئی تو تاریخ اسلام کا کم از کم ۹/۱۰ حصہ ناقابل قبول قرار پائے گا، علاوہ ازیں حدیث کے رد و قبول میں بھی احکام و عبادات سے متعلق روایات میں زیادہ کاوش کی جاتی ہے اور فضائل و ترغیبات میں کمتر درجہ کی روایتیں بھی قبول کی جاتی ہیں، اور اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں جن تاریخی روایات کا معاملہ ہے ان کی زد عقائد پر پڑتی ہے، اور عقائد کی اہمیت احکام و عبادات سے بھی زیادہ ہے، اس لیے ان پر بھی جرح و تعدیل کے انہی اصولوں سے کام لیا جائے گا، آخر میں حضرت امیر معاویہؓ کے دور حکومت پر تبصرہ کرکے اس کی صحیح نوعیت واضح کی گئی ہے، وہ گو ان کی خلافت کو خلافت راشدہ سے کمتر سمجھتے ہیں، لیکن مولانا مودودی نے اس کو جس طرح ظلم و تعدی اور فسق و فجور سے ملوث قرار دیا ہے، اس کی مدلل تردید کی ہے، مصنف اپنے والد مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم کی طرح تحقیق کا اچھا ذوق رکھتے ہیں اور پاکستان کے سنجیدہ اہل قلم میں شمار ہوتے ہیں، وہ مولانا مودودی کے جواب میں غصہ اور جھنجھلاہٹ کے اظہار اور ذاتی طعن و تشنیع کے بجائے علمی انداز سے بحث کرتے ہیں، ان کے اخذ کردہ بعض نتائج سے اختلاف کی گنجائش ہے، اور کہیں کہیں ان کے خیالات میں الجھاؤ بھی ہے، مثلاً ہر مسلمان کے کافر کے وارث ہونے یا نہ ہونے پر گفتگو کے ضمن میں فتح الباری کی جو عبارت نقل کی گئی ہے اس میں کافر کے بجائے اہل کتاب کا ذکر ہے، ظاہر

کی حیثیتیں مختلف ہیں، ع۱۱ پر لکھا ہو کہ بخت نصر کے وقت یہودیوں کی یہ بحث کہ
فضلات پاک تھے یا ناپاک، حالانکہ بخت نصر کا زمانہ حضرت مسیحؑ سے قبل تھا، ایک
مذکور لکھا ہے، ممکن ہو یہ سہو کتابت کا نتیجہ ہو، اس تحریر کا جماعت اسلامی کے ایک
کن جناب غلام علی نے ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور میں جواب دیا تھا، مصنف
ان کے خیالات کی تردید کی تھی، یہ مضمون اس کتاب کے دوسرے حصہ میں
رے حصہ میں امیرالمومنین حضرت امیر معاویہؓ کے فضائل و مناقب درج ہیں،
ان کی عظمت، کمالات، اور کارناموں کا اندازہ ہو جاتا ہے، یہ حصہ ان کے
مولوی محمود اشرف عثمانی کا تحریر کردہ ہے اگر مصنف اس پر ایک نظر ڈال
کی تکرار اور تحریر کی ناہمواری دور ہو جاتی۔

ماتریدی:۔ تحقیق و ترجمہ ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی متوسط تقطیع کاغذ بہتر طباعت
رۂ فاتحہ)
۵۰ قیمت تحریر نہیں پتہ:۔ ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان،

منصور محمد بن محمد ماتریدی امام ابوحنیفہؒ کے عقائد و کلامی مذہب کے ترجمان ہونے کی بنا پر
ر داور امام سمجھے جاتے ہیں، انکے اعتقادی مذہب کو بلاد ماوراء النہر وغیرہ میں وہی اہمیت
ت میں اشاعرہ کو حاصل تھی، کلام کے علاوہ دوسرے فنون میں بھی انکی متعدد تصنیفات تھیں مگر یہ
کی تفسیر تاویلات السنۃ کا ایک قدیم مخطوطہ استنبول میں موجود تھا جسکا عکسی نسخہ دارالکتب
کی ماہکرو فلم ادارۂ تحقیقات اسلامی پاکستان نے حاصل کر کے سورۂ فاتحہ کی تفسیر کا متن
یا ہے اور آیندہ دوسرے حصوں کی اشاعت بھی پیش نظر ہے، مگر اب المجلس الاعلیٰ
اہرہ نے بھی تفسیر کی پہلی جلد شائع کر دی ہے، سورۂ فاتحہ کی یہ مختصر تفسیر اپنی قدامت اور مفید مطالب
سے دلچسپ مطالعہ ہے، شروع میں فاضل مترجم نے امام ابومنصور کے حالات و کمالات اور
ترجمہ کی ہیں،
"ض"

جلد ۱۲۳ ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۹۹ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۷۹ء عدد ۵

مضامین

مقالات

تلخیص وتبصرہ

ادبیات